بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ (فاتحہ)

(ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ اُن لوگوں کا جن پر تُو نے احسان کیا)

خورشیدِ جہاں تاب

مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

مرتب

محمد عبدالستار طاہر

ادارہ مسعودیہ

۲/۶، ۵۔ ۱۔ ای، ناظم آباد، کراچی (سندھ)

اسلامی جمہوریہ پاکستان

خورشیدِ جہاں تاب

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

مرتب

محمد عبدالستار طاہر مسعودی

ادارۂ مسعودیہ، کراچی

۲/۶،۵۔ای، ناظم آباد، کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

(۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (فاتحہ ۵-۶)

(ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے احسان کیا)

خورشید جہاں تاب

مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

مرتب

محمد عبدالستار طاہر

ادارہ مسعودیہ کراچی

۲/۶، ۵۔ ای، ناظم آباد کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

عنوان .... خورشید جہاں تاب

مصنف .... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

مرتب .... محمد عبدالستار طاہر مسعودی

طابع .... حاجی محمد الیاس مسعودی

مطبع .... برکت پریس، کراچی

کمپوزنگ .... الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ، لاہور# ۷۲۲۵۹۴۴

نظرِ ثانی .... اقبال احمد اختر القادری

سن اشاعت ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

صفحات ۱۳۶

تعداد .... ایک ہزار

ناشر .... ادارۂ مسعودیہ، کراچی

ھدیہ ....

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ: ۲/۵،۶۔ای ناظم آباد، کراچی۔فون 6614747

۲۔ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز۔ ضیاء منزل (شوگن مینشن)

محمد بن قاسم روڈ آف ایم۔اے، جناح روڈ، عیدگاہ کراچی فون نمبر 2633819-2213973

۳۔ فرید بک اسٹال: 38۔اردو بازار، لاہور، فون:042-7224899-7312173

۴۔ ضیاء القرآن: 4۔انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی فون:2630411-2210212

۵۔ مکتبہ غوثیہ: پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی نمبر ۵

فون:4910584-4926110

۶۔ مکتبہ الجامعہ نقشبندیہ بستان العلوم: کنڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر

فہرس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	عرضِ مرتب ـــــــ محمد عبد الستار طاہر مسعودی	۶
۲	حرفِ آغاز ـــــــ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۱۲
۳	ماہ و سال حیات مفتی اعظم ـــــــ محمد عبد الستار طاہر مسعودی	۱۹
۴	ابتدائیہ ـــــــ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۲۷
۵	جلوے ـــــــ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۲۹
۶	آباء و اجداد	۳۲
۷	والد ماجد	۳۳
۸	ولادت و تربیت	۳۳
۹	کفالت	۳۴
۱۰	تعلیم و تعلم	۳۵
۱۱	فتویٰ نویسی	۳۶
۱۲	بیعت و ارشاد	۳۸
۱۳	وسعتِ مطالعہ	۴۲
۱۴	سلسلۂ درس و تدریس	۴۳
۱۵	امامت و خطابت	۴۴
۱۶	وعظ و نصیحت	۴۸
۱۷	محامد و محاسن	۴۸
۱۸	مرجعیت	۵۱
۱۹	عشقِ نبوی ﷺ	۵۷
۲۰	دہلی میں بانیٔ محفلِ عید میلاد ﷺ	۶۰

۴۱	فنائیت	۶۷
۴۲	لِلّٰہیت	۶۹
۴۳	دیگر اوصافِ حمیدہ	۷۱
۴۴	استغناء و بے نیازی	۷۲
۴۵	عجز و انکساری	۷۳
۴۶	صلۂ رحمی	۷۴
۴۷	میانہ روی	۷۶
۴۸	مسلکِ مفتیٔ اعظم	۷۹
۴۹	سخن وری	۸۳
۵۰	حمیت و عزیمت	۸۴
۵۱	سیاست	۹۸
۵۲	حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین طیبین	۱۰۶
۵۳	پاکستان آمد	۱۰۹
۵۴	رحلت	۱۱۱
۵۵	اولاد و امجاد	۱۱۷
۵۶	خلفاء و سفراء	۱۲۱
۵۷	تصانیف و تالیف	۱۲۴
۵۸	اختتامیہ	۱۲۸
۵۹	خلاصۂ کلام	۱۳۰
۶۰	مناقب	۱۳۱
۶۱	مآخذ و مراجع	۱۳۵
۶۲	کتابیات	۱۳۶
	● کتب ● اخبارات و رسائل	۱۳۶
	● مکتوبات مظہری ● دیگر مکتوبات	۱۳۷،۱۳۸

O

يبيّن نور الدجى عن نور طلعته كالشمس ينجاب عن اشراقها الظلم
يغضي حياء ويغضي مهابة فما يكلم إلّا حين يبتسم
سهل الخليقة لا يخفى بوادره يزينه اثنان حسن الخلق والشمم
مشتقة عن رسول اللّٰه نبعته طابت عناصرة والخيم والشيم
كلتا يديه غياث عمّ نفعهما تستوكفان ولا يعروهما العدم
من معشر حبهم دين و بغضهم كفر وقربهم منجى ومعتصم

❶

”ان کی پیشانی کی چمک سے ظلمتیں دور ہوتی ہیں، جس طرح طلوعِ آفتاب سے اندھیریاں چھٹ جاتی ہیں۔“

❷

”شرم وحیاء کی وجہ سے آنکھیں نیچی رکھتے ہیں اوران کی ہیبت سے لوگوں کی آنکھیں جھکی رہتی ہیں۔ ہاں ان سے اس وقت بات کرتے ہیں جب مسکرا رہے ہوں۔“

❸

”وہ نرم خُو ہیں، ان کی خصلتیں پوشیدہ نہیں ہیں، دوخوبیوں خوش خلقی وخوش مزاجی نے ان کو زینت بخشی ہے۔“

❹

”ان کی صفات، صفات رسول اللہ کی آئینہ دار ہیں۔ ان کے عناصر، عادتیں، خصلتیں بہت ہی خوب ہیں۔“

❺

”موسلا دھار بارش کی طرح دونوں ہاتھ فیض رساں ہیں۔ مال ہو یا نہ ہو، وہ بخشش کرتے رہتے ہیں۔“

❻

”وہ اس (مقدس) گروہ کے (فرد فرید) ہیں، جن کی محبت دین ہے اور بغض کفر۔ ان کا قرب نجات دینے والا اور پناہ دینے والا ہے۔“

شمس علی قطب الکمال مضیئةً

بدر علی فلک العلی سیرانهٔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مرتّب

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کی ہمہ گیر شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی ذات اکناف عالم میں جانی پہچانی ہے۔ وہ ہر خاص و عام میں یکساں مقبول تھے۔ ان کا ہر ملنے والا یہی خیال کرتا کہ قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی ساری توجہ اور محبت اسی کے لیے ہے — یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کے وصال پُرملال پر ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر دل فگار تھا، فضا سوگوار تھی، ہر شخص غم دار تھا — ہر کوئی یہی سمجھ رہا تھا کہ چلچلاتی دھوپ میں اس کے سر پر جو سائبان سایہ فگن تھا، وہ جدا ہو گیا۔ لیکن پھر اس خیال سے ڈھارس ہوئی کہ جس طرح حیاتِ ظاہری میں قبلہ مفتی صاحب دستگیری فرماتے تھے، پردہ فرمانے کے بعد بھی اسی طرح دستگیری فرمائیں گے۔ ان کے معتقدین و پسماندگان نے اکثر و بیشتر اہل اللہ کے حیات بعد ممات کے تصرف کے مظاہر دیکھے۔ یوں قبلہ مفتی صاحب کا فراق بھی ان کے لیے وصال بن گیا۔ چشم فلک نے ایسے بھی نظارے دیکھے۔ سبحان اللہ!

قبلہ مفتی صاحب کی اولاد میں اس وقت حضرت مسعود ملت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ حیات ہیں۔ قبلہ حضرت مسعود ملت نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی علمی میراث کو سمیٹنے اور محفوظ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کی علمی یادگاروں کو از سرِ نو مرتب کر کے قارئین کو پہنچایا۔ جن میں قبلہ مفتی صاحب کے فتاویٰ، مکاتیب، مواعظ و مقالات شامل ہیں۔[1] اس کے ساتھ ساتھ آپ نے گاہے بگاہے قبلہ مفتی صاحب کے حالات زندگی بھی سینۂ قرطاس کی زینت بنائے۔ آپ نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی سیرت پر ۱۹۶۶ء میں قلم

---

[1] حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی یاد میں ''ادارۂ مظہر اسلام لاہور'' ۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء میں قائم ہوا۔ اس ادارہ نے قبلہ مفتی صاحب کے جو مقالات شائع کیے ہیں انہیں دیکھ کر بہت سے لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ ایسے دقیق مسائل اتنے آسان فہم انداز اور استدلال سے پیش کیے گئے ہیں۔ ادارہ مظہر اسلام لاہور کو یہ خزانہ کہاں سے دستیاب ہو گیا!

ادارے کا خیال ہے کہ یہ سب حیات بعد ممات اہل اللہ کا تصرف ہے کہ ان رسائل کے منظر عام پر آنے کا ایک وقت مقرر تھا۔ دست قدرت نے غیب سے اس کے ظہور کے اسباب بھی پیدا کر دیئے۔ فالحمدللہ علی ذالک!

اٹھایا، اوران کی زندگی کو ہر بار نئے انداز سے پیش کیا۔ ہر مقالہ میں اس بات کو پیش نظر رکھا کہ قبلہ مفتی صاحب کے حالات بیان کرتے وقت نئی نئی معلومات پیش کی جائیں۔ جیسا کہ اس بات کا متعدد مقالات میں ذکر فرمایا ہے:

''۱۹۶۶ء سے راقم الحروف محمد مسعود احمد عفی عنہ حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے حالات مبارکہ لکھ رہا ہے۔ یہ حالات مضامین کی شکل میں مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور حضرت مفتی اعظم کی تصانیف میں شامل کیے گئے۔ دو مستقل سوانح بھی شائع ہو چکی ہیں، یعنی

● ——تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

● ——حیاتِ مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء

لیکن راقم نے یہ اہتمام رکھا کہ ہر سوانح میں کچھ نہ کچھ نئے حالات ضرور ضرور شامل ہوں۔ کیونکہ ایک ہی بات کو بار بار پیش کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ پیش نظر مقالے میں بھی بہت سی نئی معلومات ہیں جو اس سے قبل کسی سوانح میں شامل نہیں۔''[۱]

اسی طرح آپ نے ایک اور جگہ اس بارے میں لکھا ہے:

''راقم الحروف نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مجمل حالات زندگی اور علمی کارنامے حضرت علیہ الرحمہ کی متعدد تصانیف میں شامل کر دیئے ہیں مثلاً:

❶ مظہر اخلاق ❷ ارکانِ دین ❸ مکاتیب مظہری

❹ مواعظ مظہری اور ❺ فتاویٰ مظہری

لیکن سب سے زیادہ تفصیلی حالات راقم کی تالیف ''تذکرہ مظہر مسعود'' میں ہیں جو ۵۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ افادیت عامہ کے پیش نظر حضرت علیہ الرحمہ کے حالات زندگی اور علمی کارنامے ''حیاتِ مظہری'' کے نام سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو اس سے پہلے شائع نہ ہو سکیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلو سامنے آتے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ

۱۔ ماہنامہ نور اسلام شرقپور شریف، اولیائے نقشبند نمبر، جلد دوم مارچ اپریل ۱۹۷۹ء

کی زندگی کے بہت سے پہلو ہنوز تشنۂ تحقیق ہیں۔ وہ علم و عمل کے بحرِ بیکراں تھے۔''[۱]

حضرت مسعود ملت نے اس تنوع کا ذکر ایک اور مقالہ میں کیا ہے:

''حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حالات و خدمات پر راقم الحروف ۱۹۶۶ء سے برابر لکھ رہا ہے۔ اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں مثلاً:

❶ تذکرہ مظہر مسعود ❷ مکاتیب مظہری

❸ مواعظ مظہری ❹ حیات مظہری وغیرہ وغیرہ

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے نئے نئے حالات و واقعات سامنے آتے جاتے ہیں۔ مفتی اعظم کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا سلسلہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اتنے طویل عرصے کو اتنی جلدی سمیٹ لینا آسان نہیں۔ خصوصاً جب کہ حالات و واقعات جمع کرنے کا مفتی اعظم کی زندگی میں کوئی اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ اس قسم کا کوئی ریکارڈ موجود ہے جس سے مطلوبہ حالات مل جائیں ——— بے شک جن حضرات نے اخلاص فکر کے ساتھ کام کیا ہے، ان کی سیرتیں اسی طرح چھپی رہتی ہیں۔ مگر زمانہ ان کو چھپنے نہیں دیتا اور ابھار کر رہتا ہے۔

؎ زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے

انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

مفتی اعظم کے حالات زندگی کے مختلف پہلو سامنے آچکے ہیں۔ اس مقالے میں صرف ان واقعات و حالات کو بیان کیا جائے گا جو اب تک منظر عام پر نہ آسکے۔''[۲]

مفتی اعظم کے حالات زندگی کے مختلف پہلو سامنے آچکے ہیں۔ اس سلسلے میں راقم مندرجہ ذیل کرم فرماؤں کا ممنون ہے:

❶ مولانا مفتی محمد مکرم احمد، دہلی ❷ مولانا تاج محمد قادری، پشاور

❸ مولانا محمد احمد قریشی، لاہور ❹ مولانا محمد منشا تابش قصوری، مرید کے

۱۔ حیات مظہری، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۰ء ص ۸

۲۔ مقالہ ''مفتی اعظم'' ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ ۱۹۷۱ء

5 سید مسعود حسن شہاب، بہاولپور 6 پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف، بہاولپور
7 حکیم محمد سلیم جان مجددی سرہندی، ماتلی 8 میاں محمد صادق قصوری، برج کلاں قصور
9 محمد ظہور الدین خاں، لاہور 10 پروفیسر ڈاکٹر سید نظیر حسنین زیدی، کراچی
11 حافظ محمد اظہر احمد، کراچی 12 سید نور محمد قادری، چک شمالی گجرات

۱۹۹۷ء میں محررہ ایک مقالہ "مفتی اعظم" میں رقمطراز ہیں:

"مفتی اعظم کے حالات زندگی اور دینی خدمات پر کئی کتابیں اور مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً:

1 تذکرہ مظہر مسعود 2 حیاتِ مظہری 3 آفتاب ولایت وغیرہ

پروفیسر معراج الدین قریشی، حیدرآباد سندھ اور محمد عبدالستار طاہر، لاہور نے "اشاریہ مفتی اعظم" مرتب کیا ہے۔"

ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

"راقم نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات اور خدمات پر لکھنے کا آغاز ۱۹۶۰ء سے کیا۔ گزشتہ تقریباً ۴۲ سال سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی متعدد سوانح اور تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا جاوید اقبال مظہری، جناب حاجی محمد الیاس، ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، الحاج محمد یونس باڑی وغیرہ نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔"[۱]

زیرِ نظر کتاب کی اشاعت سے پہلے محترم بزرگوارم حاجی شیخ محمد یونس باڑی مظہری صاحب کی مرتب کردہ سیرت "انوارِ مظہریہ" شائع ہو گئی۔ اس کی تقدیم سے ممکنہ اضافات کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں ایک جگہ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ۱۹۶۴ء میں راقم نے سوانح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا، اور آپ سے حالات دریافت کیے تو آپ نے ازراہِ انکسار منع فرما دیا لیکن دعاؤں سے نوازا۔ پھر تائید الٰہی سے راقم نے ایک ضخیم سوانح "تذکرہ مظہر مسعود" (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء) قلم بند کی۔

۱۔ حرفِ اول "باقیاتِ مظہری" مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، مطبوعہ ادارہ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۲ء

اس زمانے میں علماءِ اہل سنت و جماعت کے حالات پر کوئی قابل ذکر کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی تھی، اس لیے ان کا خاطر خواہ ذکر نہ ہو سکا، جس کا قلق ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور باتیں ہیں جو جدید ماحول کے اثرات کے تحت لکھ دی گئیں۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں ساری کمی پوری کر دی جائے گی ـــــ اس کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حالات اخبارات و رسائل میں ملتے گئے اور محبین و مریدین سے معلوم ہوتے گئے۔ ان کو آئندہ شائع ہونے والی کتابوں میں شائع کرتا گیا۔ مثلاً:

1. ـــ تجلیاتِ مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٦٩ء
2. ـــ مواعظِ مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٦٩ء
3. ـــ حیاتِ مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٧٠ء
4. ـــ فتاوی مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٧٠ء
5. ـــ فتاوی مسعودی ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٨٠ء
6. ـــ شیخ الاسلام ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٩٤ء
7. ـــ مکاتیبِ مظہری ـــــ جلد اول۔ مطبوعہ کراچی ١٩٩٩ء
8. ـــ حیاتِ فقیہ الہند ـــــ مطبوعہ کراچی ١٩٩٦ء

راقم کے علاوہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مرید خاص مولانا جاوید اقبال مظہری نے لکھنا شروع کیا تو وہ بھی لکھتے چلے گئے۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

1. ـــ ملفوظاتِ مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی 2. ـــ خلقِ مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی
3. ـــ آفتابِ ہدایت ـــــ مطبوعہ کراچی 4. ـــ مناقبِ مظہری ـــــ مطبوعہ کراچی
5. ـــ عارفِ کامل ـــــ مطبوعہ کراچی 6. ـــ مظہر جمال مصطفٰی ـــــ مطبوعہ کراچی۔"[1]

قبل ازیں احقر کا ان متنوع مقالات کا مجموعہ پیش کرنے کا ارادہ تھا۔ اس کا مقصد وحید یہی تھا کہ حضرت مسعود ملت نے ١٩٦١ء تا ١٩٩٠ء قبلہ مفتی صاحب کے جو گوناگوں حالات بیان کیے ہیں، قاری کو یکجا مل سکیں۔ قبلہ مفتی صاحب کے متوسلین اور ان پر ریسرچ کرنے والوں کو قبلہ مفتی صاحب کے بارے میں بنیادی مآخذ میسر آسکے۔ وہ حیات مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے ان پہلوؤں پر لکھ سکیں، جن پر تا حال کام کرنا باقی ہے ـــــ اس ضمن میں احقر کی

[1] ۔ تقدیم "انوارِ مظہریہ" ص ٣٢/٣٣، مطبوعہ کراچی ١٤٢٦ھ/٢٠٠٥ء

تجویز ہے کہ قبلہ مفتی صاحب کے حوالے سے ایم۔فل اور ڈاکٹریٹ کے لیے مقالات لکھے جائیں۔

۱۹۹۸ء میں قبلہ ڈاکٹر صاحب لاہور تشریف لائے تو ۲۰ رفروری کو برادرم ملک لیاقت علی مسعودی مرحوم و مغفور کی رہائش گاہ میسن روڈ پر شرف نیاز حاصل ہوا۔احقر نے اس مجموعہ کے لیے عرض کیا۔آپ نے فرمایا:

''بجائے یکجا کرنے کے ان سب کو ایڈیٹ کرلیں۔لیکن یہ خیال رہے کہ کوئی بات Repeat نہ ہو ــــــ جس مقالہ میں جونئی بات ہے وہی شامل کریں ــــــ یوں ٹھیک رہے گا۔''

احقر نے انہیں حسب الارشاد مرتب کرلیا ــــــ مشیت ایزدی سے اس کی تبییض کا کام ماہ مبارک ربیع الاول شریف ۱۴۲۳ھ میں ہوا۔فالحمد للّٰہ علی ذٰلک!

سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کے ماہ مبارک میں ایک عاشقِ رسول کی سوانح کا تکمیل پانا بھی ایک سعادت سے کم نہیں اور سنا ہے کہ اہل اللہ کے اذکار و تذکار سے گناہ جھڑتے ہیں ــــــ اللہ کریم اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے وسیلہ جلیلہ سے اور اپنے اس ولی کامل کے تصدق ہم گناہگاروں کے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرمائے۔آمین!

مولیٰ پاک کے حضور سراپا سپاس ہیں کہ وہ اپنے پیاروں کے طفیل سلسلہ مظہریہ کے سرخیل و بانی ہمارے ممدوح قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی کرم فرمائی اور مربیانِ مفتی اعظم علیہم الرحمہ کی عنایات دین و دنیا میں ہر آن ہماری دستگیر ہوں۔آمین!

خاکپائے صاحبدلاں

محمد عبد الستار طاہر

E-III/A۔پیر کالونی، والٹن

لاہور کینٹ

۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

۱۹ رمئی ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

حرفِ آغاز

سیرت وکردار کی اہمیت کا کسی کو اندازہ تھا۔ اسلام نے اس طرف متوجہ کیا اور یہ بتایا کہ سیرت ایک عظیم حقیقت ہے: ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ۔ لیکن انسان دولت کا پرستار ہے۔ وہ اسی کو عظیم سمجھتا رہا، اور عقل پرستی کے اس دور میں بھی یہی سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل سے بہت دور ہے ——— دولت حسن تاثیر سے خالی ہے، اسی لیے دنیا میں کسی انسان نے محض دولت کے سہارے دلوں میں جگہ نہ کی بلکہ اس کے برعکس غریبی و مسکینی میں محبوبانِ خدا نے وہ بات پیدا کرلی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے:

ظاہر میں غریب الغربا، پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

یہ بلند وبالا محل، یہ اونچی اونچی کرسیاں، یہ بڑی بڑی ڈگریاں، یہ لمبی لمبی کاریں، یہ معمور خزانے ——— ذرا ایک لمحہ کے لیے غور کیجیے، یہ سب نہ ہوں تو پھر ہم کچھ بھی تو نہیں، کوئی ہمارا پرسانِ حال نہ ہو ——— اور ہاں! وہ اہل اللہ جن کے پاس کوئی چیز نہیں پھر بھی وہ سب کچھ ہیں۔ ہماری عظمت ہم سے باہر معلّق ہے اور ان کی عظمت ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو خاک میں ملا سکے۔

●

بعض لوگ علم ودانش کو سیرت وکردار سے افضل سمجھتے ہیں۔ یقیناً علم افضل ہے لیکن اس کا مقصود معرفتِ نفس ہے یا معراجِ انسانیت ہے تو پھر علم مقصود بالذات نہ ہوا۔ مقصودِ حقیقی انسان کی اپنی سیرت ہے ——— علم کے ذریعہ اسی کو بنانا اور سنوارنا ہے، سیرت کامل ہزار علم ودانش سے بہتر ہے۔

صاحب سیرت انسان کا وجود اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس کے ہوتے افکارِ عالیہ کے مفید اور قابل عمل ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ بے شک عظیم نظریات کے لیے عظیم سیرتوں کی ضرورت ہے اور اس عظیم سیرت کی صحبت اکسیرِ اعظم ہے۔

؎ خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک سیرت کاملہ (ﷺ) ہی نے تو بلندیوں تک پہنچایا تھا۔ انہوں نے کسی مکتب و مدرسے میں نہیں پڑھا تھا بصرف صحبتِ نبوی ﷺ نے انہیں آسمان تک پہنچا دیا تھا —— بس صالحین اور کاملین سے منہ نہ موڑنا چاہیے کہ یہ خود زندگی سے منہ موڑنا ہے۔ جو لوگ حضرات اہل اللہ کو بے فیض سمجھ کر خود آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ اس نادان طالب علم کی مانند ہیں جو استاد سے منہ موڑ کر ذاتی مطالعہ سے اعلیٰ مدارج حاصل کرنا چاہتا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے مفکر و معلم گزرے ہیں جنہوں نے افکار آبدار پیش کیے ہیں، لیکن وہ افکار بے جان رہے —— اس کی وجہ یہی تھی کہ ان افکار کے پیچھے کوئی تاب دار سیرت نہ تھی —— اسلام کا یہی اعجاز ہے کہ اس نے افکار عالیہ کے ساتھ ساتھ عالی سیرتوں کا ایک سلسلہ فراہم کیا جو چودہ سو برس سے اب تک جاری ہے۔ یہ سلسلۃ الذہب، سوائے دین فطرت اسلام کے کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اسلام کی حقانیت کی یہ بھی ایک عظیم دلیل ہے۔

ذرا غور کیجئے! اگر صرف علم و دانش انسان کے لیے کافی ہوتے، تو پھر ہمارا دور کاملین کا دور ہوتا۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ بیسیوں علوم و فنون کے دریافت ہونے اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کتابوں کے لکھے جانے کے باوجود وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو صرف صاحب قرآن جناب رسالت مآب ﷺ نے پیدا کر دی تھی۔ ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

●

بعض لوگ عبادات و ریاضیات اور مجاہدات کو سیرت سے افضل سمجھتے ہیں اور اسی کو مقصود بالذات جانتے ہیں، اسی لیے تعمیر سیرت سے بے خبر دن رات اسی میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ خدا تو بے نیاز ہے۔ اس کو ہماری عبادات و وظائف کی ضرورت نہیں، ضرورت ہمیں کو ہے۔ ریاضات و عبادات کا مقصود حقیقی تعمیر سیرت ہی ہے۔ نافرمانی کی سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ ہم نے تمہارے نفع کے لیے جو گُر بتائے تھے، تم نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ —— اس سزا میں کیسی رحمت و شفقت ہے! —— حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی کہ انسان خود اپنے حقیقت منافع سے بے خبر ہو جائے۔

●

انسان جسم و روح سے مرکب ہے، اس لیے اس کو دوہری تعلیم (Double Education) اور دوہری معیشت (Double Economy) کی ضرورت ہے۔ اگر روح نہ ہوتی، صرف جسم ہوتا تو پھر ایک ہی قسم کی تعلیم اور ایک ہی قسم کی معیشت کافی تھی۔ علوم ظاہری درس و تدریس سے حاصل ہوتے ہیں، لیکن علوم باطن کا تعلق روح سے ہے، جو صحبت سے حاصل ہوتے ہیں —— علوم سائنس کا عالم سائنس داں ہو سکتا ہے لیکن علوم شریعت و طریقت کا عالم، عارف نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے عمل شرط ہے اور عمل ہی کا دوسرا نام سیرت ہے۔ علوم باطن کے لیے ایسی سیرتوں کی ضرورت ہے جن میں یہ علوم جیتے جاگتے نظر آئیں۔

ایسا صاحبِ سیرت مردِ کامل ایک عظیم قوت ہے جو اپنے ماحول اور اپنے عہد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ع

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

اس کا وجود نوع انسانی کے لیے ایک سہارا ہے، وہ ایک خاموش معلم ہے، اس کے اخلاق فاضلہ بن دیکھے اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ یہ بات کہیں اور نہیں مل سکتی۔

●

عالمِ اسباب میں وسائل کی ضرورت ہے۔ بغیر وسائل مقصد تک پہنچنا مشکل ہے۔ یہ

صحیح ہے کہ خدا نے فرمایا ہے: ''مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا۔''

مگر جب ہم کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ کہو:

''ہم کو ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا —— نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔''

تو دراصل مانگنے کا سلیقہ بتایا جارہا ہے، اور اہل اللہ کے دامن سے وابستہ کیا جارہا ہے۔ اب جب مانگنے والا ان برگزیدہ بندوں سے روگردانی کرے گا تو وہ اپنے خدا سے روگردانی کرے گا، کیونکہ خدا ہی نے اپنے محبوب بندوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ہم نے آدم کو سارے نام سکھا دیئے۔''

نیز فرماتا ہے:

''انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔''

اور فرماتا ہے:

''انسان کو قلم کے ذریعہ وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

تو اب چاہیے کہ نہ پڑھیں، نہ لکھیں اور نہ بولنا سیکھیں کہ سب کچھ دیا گیا ہے۔ لیکن نہیں، اس کے باوجود طلب علم کی ہدایت کی گئی ہے —— تو جب جو کچھ دیا جا چکا ہے، اس کے حصول کے لیے وسائل کی ضرورت ہے، تو جو کچھ ابھی مانگا بھی نہ گیا اور ملا بھی نہیں، اس کے لیے وسائل کی بدرجۂ اتم ضرورت ہوگی، اسی لیے فرمایا:

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم

اولیاء اللہ کی صحبت میں، بہت کچھ ملتا ہے۔ وہ لٹاتے ہیں، اہل دنیا کی طرح سمیٹتے نہیں، وہ زمین سے اٹھاتے ہیں اور آسمان تک لے جاتے ہیں۔ خیال کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ فکر و خیال کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ نیا انداز فکر عطا کرتے ہیں اور پھر منافع، خسارے نظر آنے لگتے ہیں۔ بہار، خزاں نظر آنے لگتی ہے اور خزاں، بہار! —— روشنیاں، تاریکیوں

میں بدل جاتی ہیں اور تاریکیاں روشنیوں میں ـــــ اس انقلاب فکر و خیال کے ساتھ وہ ایک نئے عالم میں لے جاتے ہیں، جہاں کے زمان و مکاں اور ہی ہیں۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سامنے نہیں جو ہم فیضِ نظر سے مستفیض ہو سکیں۔ اب فیض صحبت کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم آپ کے حالاتِ زندگی، مکتوبات، ملفوظات اور مواعظ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ اس طرح جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو بھی محفوظ رکھ سکیں گے اور اس کے علاوہ بہت کچھ حاصل ہوگا ـــــ سادگی، حق گوئی اور بے باکی، ایثار و قربانی، خلوص و للٰہیت، ہمدردی و غم خواری، صبر و استقلال، استغناء و بے نیازی، خوف و خشیتِ الٰہی ـــــ غرض وہ کیا چیز ہے جو حاصل نہیں ہو سکتی۔

قوم روشن از سواد سرگزشت   خود شناس آمد زیاد سرگزشت
سرگزشتِ او چو از یادش رود   باز اندر نیستی گم می شود

ضبط کن تاریخ را ، پایندہ شو
از نفس ہائے رمیدہ ، زندہ شو

●

ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں، ان کی زبان دیکھتی، ان کے کان دیکھتے ہیں، ان کے پیر دیکھتے ہیں، ان کے خیال دیکھتے ہیں، ان کے احوال دیکھتے ہیں ـــــ

- ـــــ جب ہی تو وہی دیکھتے ہیں جس کو دیکھنے کا حکم ہے،
- ـــــ وہی بولتے ہیں جس کے بولنے کا حکم ہے،
- ـــــ وہی سنتے ہیں، جس کے سننے کا حکم ہے،
- ـــــ وہی چھوتے ہیں، جس کے چھونے کی اجازت ہے،

○——وہی سوچتے ہیں، جس کے سوچنے کی اجازت ہے،

○——ان ہی واردات سے گزرتے ہیں جن واردات سے گزارا جاتا ہے،

○——ان ہی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں، جن فضاؤں میں پرواز کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

ان کے ظاہری اور باطنی احوال اور اقوال اور اعمال شریعت کے طابع ہیں۔وہ سراپا آنکھ ہی آنکھ ہیں۔وہ روشنی ہی روشنی ہیں۔اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کرتے۔ہماری آنکھ بھی آنکھ نہیں۔جب آنکھ کا یہ حال ہے تو ہاتھ پیر اور خیال وانعال کا کیا حال ہوگا۔اسی لیے فرمایا:

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ''اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔''

تم نے بننا سنورنا ہے تو سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

○——یہ تم کو بنادیں گے،

○——یہ تم کو سنوار دیں گے،

○——یہ تم کو زندگی کے لطف سے آشنا کردیں گے،

○——یہ بدمزا زندگی کو لطیف ولذیذ بنادیں گے،

○——یہ زندگی کا راز بتادیں گے کہ محرم راز ہیں،

آؤ آؤ زندگی کے پاس بیٹھو،موت کی طرف جانے والو زندگی کی طرف لوٹو۔

●

ان ہی سچوں میں، ان ہی زندگی بنانے والوں میں، ان ہی زندگی سنوارنے والوں میں، فاضل جلیل، عارف کامل، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی بھی تھے، وہ میرے والد ماجد تھے۔وہ میرے استاذِ گرامی تھے، وہ میرے مرشد کریم تھے۔انہوں نے:

○——میرے جسم کی پرورش کی،

○——میرے دماغ کی پرورش کی،

○ ——— میرے دل کو سنوارا،

○ ——— میری روح کو نکھارا،

وہ ایسے مخلص باپ تھے جنہوں نے بیٹوں سے کچھ نہ چاہا ——— ایسے مشفق استاد تھے، شاگردوں سے کچھ نہ چاہا ——— ایسے مہربان مرشد تھے کہ مریدوں سے کچھ نہ چاہا۔ وہ جانتے تھے کہ باپ وہ ہے جو بیٹوں کو دے، استاد وہ ہے جو شاگردوں کو عطا کرے، مرشد وہ ہے جو مریدوں کو نوازے۔ [1]

●

راقم الحروف نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مجمل حالات زندگی اور علمی کارنامے حضرت علیہ الرحمہ کی متعدد تصانیف میں شامل کر دیئے ہیں۔ مثلاً:

❶ مظہر الاخلاق ❷ ارکانِ دین ❸ مکاتیب مظہری

❹ مواعظ مظہری ❺ فتاویٰ مظہری

لیکن سب سے زیادہ تفصیلی حالات راقم کی تالیف ''تذکرہ مظہر مسعود'' میں ہیں جو ۴۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلو سامنے آتے جارہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے بہت سے پہلو ہنوز تشنہ تحقیق ہیں۔ وہ علم و عمل کے بحر بیکراں تھے۔

حضرت کی سوانح پر بعض حضرات نے کام کیا ہے، بعض کام کر رہے ہیں، اور بعض حضرات کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ——— مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کو کامیابی عطا فرمائے اور ان کے مشاہدات و تاثرات سے قارئین کرام مستفیض ہوں۔ آمین!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں، سندھ

۲/ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ

۱۹/ نومبر ۱۹۷۴ء

ا۔ انوار مظہریہ ص ۳۶/۲۹

نوٹ: یہ حرفِ آغاز ''حیاتِ مظہری'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی کے لیے رقم فرمایا گیا تھا ——— طاہر

ماہ وسال کے حیاتِ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

نمبر شمار	واقعات	تواریخ
۱	ولادت باسعادت حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ، دہلی	۱۵؍رجب المرجب ۱۳۰۳ھ/ ۲۱؍اپریل ۱۸۸۶ء
۲	وصال والد ماجد مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ، دہلی	۲۱؍شعبان المعظم ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء
۳	وصال والدہ ماجدہ علیہا الرحمہا	تقریباً ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء
۴	وصال جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ محدث دہلوی	۱۰؍رجب المرجب ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء
۵	بیعت شیخ طریقت حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ مکان شریف (مشرقی پنجاب، بھارت)	۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء
۶	آغاز و اہتمام تہجد بعمر ۱۴ سال	۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء تا ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء
۷	حفظ قرآن مجید، تحصیل تجوید قرات بعمر ۱۵ سال	۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء
۸	علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فراغت	۱۳۲۰ھ/۱۹۰۱ء
۹	اجازت و خلافت سلسلہ نقشبندیہ از شاہ محمد رکن الدین الوری علیہ الرحمہ	مابعد ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
۱۰	عقد مسنونہ بعمر ۱۹ سال انور جہاں بیگم [1]	۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء
۱۱	اہلیہ کا وصال پُر ملال	۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

[1] والدۂ ماجدہ مولانا محمد مظفر احمد، مولانا محمد مشرف احمد، اختر بیگم (تذکرہ مظہر مسعود، ص ۵۴۹)

۱۲	دوسرا عقد مسنونہ نور جہاں بیگم سے[۲]	۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء
۱۳	دوسری اہلیہ کا وصال	۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
۱۴	اشاعت رسالہ ''ارکان دین'' دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۵	اشاعت رسالہ ''مظہر الاخلاق''، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۶	اشاعت رسالہ ''مظہر العقائد''، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۷	تیسرا عقد مسنونہ عائشہ بیگم سے[۳]	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۸	تحریک خلافت میں بحیثیت سیکرٹری شمولیت	۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
۱۹	تحریک خلافت سے علیحدگی	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۰	تالیف ''کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب''	۱۰ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ/ ۳۱/ اگست ۱۹۲۵ء
۲۱	جواں سال صاحبزادی خدیجہ بیگم کا انتقال، دہلی	تقریباً ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء
۲۲	اشاعت ''القول الفائق علی امامۃ الفاسق''، دہلی	۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء
۲۳	اشاعت ''تحقیق الحق''، دہلی	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۲۴	خراج عقیدت علامہ محمد حمایت علی میرٹھی علیہ الرحمہ	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۲۵	مایہ ناز فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی ولادت باسعادت، دہلی	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء
۲۶	گاندھی کو مہاتما کہنے کے خلاف فتوی	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء
۲۷	ایک قومی نظریہ کی مخالفت اور دو قومی نظریہ کی حمایت	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء

۲۔ والدہ عائشہ بیگم و فاطمہ بیگم وثانی صاحبہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف، بہاولپور (تذکرہ مظہر مسعود، ص ۵۵۰)

۳۔ والدہ ماجدہ مولانا محمد احمد، مولانا منور احمد، مولانا منظور احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر محمد سعید اور آمنہ بیگم خدیجہ بیگم، صدیقہ بیگم، اینہ بیگم اور نفیسہ بیگم (تذکرہ مظہر مسعود، ص ۵۵۱) ——— (اللہ کے فضل و کرم سے قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے ہاں سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں)

٢٨	تالیف ''رسالہ در علم توقیت'' ——— قلمی	١٣٥٠ھ/١٩٣١ء
٢٩	آغاز انعقاد جلسہ عید میلاد النبی ﷺ مسجد فتحپوری، دہلی	ماقبل ١٣٥١ھ/١٩٣٢ء
٣٠	گستاخانِ رسول کے خلاف فتویٰ کفر	١٣٥٣ھ/١٩٣٤ء
٣١	خلیفۂ اعلیٰ حضرت بریلوی صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کا خراج عقیدت	١٣٥٣ھ/١٩٣٤ء
٣٢	اجازت وخلافت سلسلہ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ از شاہ محمد رکن الدین الوری علیہ الرحمہ سے	٢٨/ربیع الآخر ١٣٥٥ھ/ ٢٣/دسمبر ١٩٣٦ء
٣٣	وصال حضرت شاہ محمد رکن الدین الوری نقشبندی مجددی، الور شریف	١٣٥٥ھ/١٩٣٦ء
٣٤	نواب حیدرآباد میر عثمان خان کی دعوت پر جانے سے انکار	١٣٥٦ھ/١٩٣٦ء
٣٥	نو عمر صاحبزادی (سعیدہ بیگم) کا انتقال، دہلی	تقریباً ١٣٥٧ھ/١٩٣٨ء
٣٦	قضیہ پشتہ مسجد جامع فتحپوری، دہلی کی مدافعت وحمایت	ماقبل ١٣٥٧ھ/١٩٣٨ء
٣٧	شیخ عبداللہ شریف المکی کا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی شان میں عربی قصیدہ	١٣٥٨ھ/١٩٣٩ء
٣٨	اشاعت ''موجودہ مصائب کا واحد علاج''، دہلی	١٣٥٨ھ/١٩٣٩ء
٣٩	قائد اعظم محمد علی جناح کی دہلی حاضری	١٣٥٩ھ/١٩٤٠ء
٤٠	اشاعت ترجمہ قرآن کریم، دہلی	١٣٦١ھ/١٩٤١ء
٤١	اشاعت حواشی وتفسیر قرآن کریم، دہلی	١٣٦١ھ/١٩٤١ء
٤٢	اجازت دلائل الخیرات شریف از شیخ المشائخ عبدالسلام قادری علیہ الرحمہ	٢٤/محرم الحرام ١٣٦١ھ/ ١١/فروری ١٩٤٢ء

۴۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ حیدرآبادی کو ایک ہی دن اجازت وخلافت دی گئی ——— (بحوالہ ''یادِ محمود'' از فاروق احمد خاں ——— مطبوعہ کراچی ١٩٩٦ء)

۴۳	جواں سال صاحبزادے مولانا منور احمد کا وصال، دہلی	۱۹۴۵ء
۴۴	انتقال عم محترم علامہ حکیم عبد المجید علیہ الرحمہ، اجمیر شریف	۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء
۴۵	ممبر سی مجلس اوقاف، دہلی	۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء
۴۶	حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین	۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء
۴۷	شاہ سعود کی شاہی دعوت مکہ معظمہ میں شرکت سے انکار	۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء
۴۸	جواں سال صاحبزادی (آمنہ بیگم) کا انتقال، دہلی	۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء
۴۹	اشاعت رسالہ "خزینۃ الخیرات"، دہلی	۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء
۵۰	اعلان تقسیم ہند	۱۳۶۷ھ/۶/جون ۱۹۴۷ء
۵۱	تیسری اہلیہ عائشہ بیگم کا انتقال	۲۹/رجب المرجب ۱۳۶۶ھ/ ۱۹/جون ۱۹۴۷ء
۵۲	تاسیس پاکستان	۲۷/رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء
۵۳	آزادیٔ ہندوستان	۱۳۶۶ھ/۱۵/اگست ۱۹۴۷ء
۵۴	دہلی میں قیامت خیز فسادات، مفتی اعظم کی حیرت انگیز استقامت	۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء
۵۵	تقسیم ہند کے بعد جمعۃ المبارک کو ہندوؤں اور سکھوں نے مسجد فتحپوری پر پہلا بم پھینکا اور مسلح افراد نے حملہ کیا	۱۳۶۸ھ/۵/ستمبر ۱۹۴۷ء
۵۶	صدر جمہوریہ ہند کے انتقال اقتدار کی دعوت میں شرکت سے معذوری، دہلی	۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء
۵۷	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے لیے دینی خدمات کی دعا	۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء

۵۸	دوسرے جواں سال صاحبزادے مولانا منظور احمد کا سانحہ ارتحال	۳/شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ ۲۱/مئی ۱۹۵۰ء
۵۹	تالیف رسالہ ''انتفاء المحال فی رویت الہلال''، دہلی	۶/ذی الحج ۱۳۷۰ھ ۸/ستمبر ۱۹۵۱ء
۶۰	حضرت مسعود ملت کی شاندار ترقیوں کی بشارت	۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء
۶۱	سفیر عوامی جمہوریہ چین کی دعوت میں شرکت سے انکار	۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
۶۲	اشاعت ''دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ''، دہلی	۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء
۶۳	جامع مسجد آرام باغ، کراچی میں دارالعلوم مظہریہ کا قیام	۱۹۵۸ء
۶۴	اشاعت ''فتویٰ رویت ہلال''، دہلی	۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء
۶۵	محمود عباسی کی کتاب ''خلافتِ یزید و معاویہ'' کا ماہنامہ ''اذان''، کراچی میں شدید تعاقب	۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء
۶۶	اشاعت ''قصد السبیل''، دہلی	۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء
۶۷	تصنیف و اشاعت ''شجرہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ''، دہلی	۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
۶۸	حضرت مسعود ملت کیلئے دعائے روح القدس	۲۷/ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ
۶۹	پاکستان پہلی بار آمد	۸/اکتوبر ۱۹۶۱ء ۵/جمادی الاول ۱۳۸۱ھ
۷۰	کراچی میں استقبالیہ اور سپاس نامہ از علامہ محمد عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے اہل سنت	۱۶/اکتوبر ۱۹۶۱ء ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
۷۱	تاسیس ''بزم ارباب طریقت، پاکستان''، کراچی	
۷۲	حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی شان میں علامہ ضیاء القادری بدایونی علیہ الرحمہ کی منقبت	۱۳۸۱ھ/۱۶/اکتوبر ۱۹۶۱ء
۷۳	حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں	

	مولانا عبدالسلام باندوی علیہ الرحمہ کی منقبت	۱۳۸۱ھ/ ۱۶/اکتوبر ۱۹۶۱ء
۷۴	حیدرآباد سندھ، میرپورخاص، بہاولپور، لاہور اور راولپنڈی تشریف آوری	۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء
۷۵	کراچی میں دوبارہ تشریف آوری	۲۰/ربیع الاول ۱۳۸۴ھ/ ۳۰/جولائی ۱۹۶۴ء
۷۶	حیدرآباد میں تشریف آوری	۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء
۷۷	لاہور تشریف آوری پر خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت ابوالبرکات سید احمد قادری، صدرالمشائخ مولانا فضل عثمان مجددی اور دیگر علماء ومشائخ کا استقبال	۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء
۷۸	مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شادی	۲۳/ربیع الاول ۱۳۸۴ھ/ ۲/اگست ۱۹۶۴ء
۷۹	پاک وہند کی جنگ اور پاکستان کی کامیابی کی بشارت	۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء
۸۰	جمعیت العلماء ہند کے خلاف فتویٰ	۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء
۸۱	سنی مجلس اوقاف، دہلی کی طرف سے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد احمد علیہ الرحمہ کے نام امامت کی منتقلی	۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء
۸۲	وصال سے قبل حکیم عبدالحی مرحوم کو اپنے وصال کی اطلاع	۱۳۸۶ھ/ جون ۱۹۶۶ء
۸۳	وصالِ پُرملال	۱۴/شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ ۲۸/نومبر ۱۹۶۶ء
۸۴	صحن مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں تدفین	۱۵/شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ ۲۹/نومبر ۱۹۶۶ء
۸۵	پاک وہند کے اخبارات ورسائل کا خراج عقیدت	۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء

۸۶	آپ کے نام نامی سے منسوب رسالہ ''المظہر'' کا آغاز ــــــبدست صاحبزادہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ	۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
۸۷	آپ کی یاد میں مدرسہ مظہر العلوم نوریہ، دھامپور، بجنور کا حکیم محمد عاقل چشتی مظہری کے زیر نگرانی قیام	۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء
۸۸	اشاعت ''مکاتیب مظہری''، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی	۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء
۸۹	اشاعت ''مواعظ مظہری''، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی	۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
۹۰	اشاعت ''فتاوی مظہری''، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی	۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
۹۱	آپ کی یاد میں سلسلہ عالیہ مظہریہ مسعودیہ سے متعلق کتب کی اشاعت کیلئے ادارہ مظہر اسلام، لاہور کا قیام	۲۵/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ ۱۳/ستمبر ۱۹۹۳ء
۹۲	ادارہ مظہر اسلام، لاہور کے قیام پر حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد زید لطفہٗ کا تہنیت نامہ (بنام ملک محمد سعید صاحب مجاہد آبادی، نگران مذکورہ ادارہ)	۳/ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ ۲۱/ستمبر ۱۹۹۳ء
۹۳	اشاعت مقالہ ''شرک وتوحید''، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۱۶ھ/۱۹۹۴ء
۹۴	اشاعت مقالہ ''تحدیث نعمت''، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء
۹۵	اشاعت مقالہ ''تصرفات محمدیہ''، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء
۹۶	اشاعت مقالہ ''ناموس مصطفیٰ''، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء
۹۷	اشاعت مقالہ ''فتوی عصمت پناہ'' (پردہ کا شرعی حکم)، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء
۹۸	اشاعت مقالہ ''میثاق النبیین''، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۱۹ھ/دسمبر ۱۹۹۸ء
۹۹	اشاعت مقالہ ''درود ودعا''، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء
۱۰۰	''مکاتیب مظہری'' جلد اول دوم کی یکجا اشاعت، ادارہ مسعودیہ، کراچی	۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء

۱۰۱	''فتاویٰ مظہریہ'' کی مع اضافات ادارہ مسعودیہ، کراچی سے اشاعت	۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء
۱۰۲	رسالہ ''المظہر'' کا ادارہ مسعودیہ، کراچی سے دوبارہ اجراء ،بفیضان حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد زید لطفہٗ	محرم، صفر ۱۴۲۳ھ/مارچ اپریل ۲۰۰۲ء (مشترکہ پہلا شمارہ)

محررہ

۲۵ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ/۱۷ مئی ۱۹۹۳ء

اضافات

۱۴ محرم ۱۴۲۰ھ/ یکم مئی ۱۹۹۹ء

احقر

محمد عبد الستار طاہر

E-III/A۔ پیر کالونی۔ والٹن

لاہور چھاؤنی۔ کوڈ نمبر ۵۴۸۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

کاروانِ حیات رواں دواں ہے ——— قافلوں پر قافلے چلے آرہے ہیں، اور چلتے چلے جارہے ہیں ——— کچھ لوگ جانے کے لیے آرہے ہیں اور کچھ آنے کے لیے آرہے ہیں ——— جاتو وہ بھی رہے ہیں لیکن وہ روشنیاں چھوڑ رہے ہیں، اور اندھیری راہوں کو جگمگا رہے ہیں ——— اجل سہم رہی ہے کہ وہ زندگی بنا رہے ہیں، اور زندگی مسکرا رہی ہے کہ وہ عروسِ دل سجا رہے ہیں۔

ہاں دیکھو دیکھو وہ آنے والا اپنے وقت پر آیا ——— بچپن ہی میں یتیم و یسیر ہوگیا ——— اس کے مولیٰ نے دستگیری فرمائی، پھر وہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار ہوا ——— برسوں تشنگانِ علم کو سیراب کرتا رہا اور طالبانِ حق کی رہنمائی کرتا رہا ——— اس نے حریم محبت میں قدم رکھا تو اپنے عشق کا سکہ جما دیا ——— دیارِ محبوب میں پہنچا تو سب کچھ بھلا دیا۔ اسی کو یاد رکھا جس کی یاد فراز جسم و جاں ہے ——— اس نے ایسی مرنجاں مرنج زندگی گزاری کہ اپنے اور بیگانے سب اسی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے ——— اس نے اپنوں کو غیر نہ بنایا، غیروں کو اپنا بنایا ——— اس نے زندگی بھر اپنے لیے کچھ نہ کیا، جو کچھ کیا خدا اور بندگانِ خدا کے لیے کیا ——— اس نے امامت کی تو ایسی کہ قلب و روح تڑپ کر رہ گئے اور سجدوں میں معراج کا سا لطف آگیا ——— وہ مجسمۂ حمیت و غیرت تھا، اس نے خانۂ خدا کی عزت و ناموس کے لیے اپنی عزت کو عزت اور اپنی جان کو جان نہ سمجھا ——— اس نے آڑے وقت میں ملت اسلامیہ کی وہ خدمت کی کہ باید و شاید ا ——— وہ ذرائع ابلاغ کے سہارے زندہ نہ رہا، وہ خود پیکر حیات تھا، اس نے سینوں کو چمکایا ——— اس نے اپنی عزیمت پسندی سے بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے وہ چراغ روشن کیے جو رہتی دنیا تک روشن رہیں گے ——— اس نے اپنے جگر گوشوں کو تہذیب جدید کی مسموم فضاؤں سے بچائے رکھا کہ وہ رب کریم کے حضور شرمسار نہ ہوں ——— اس نے اپنے

جاں نثاروں کو محبوب رب العالمین (ﷺ) کی طرف لگائے رکھا، اور اسی کے نقش قدم پر چلایا —— اس میں مشیخت کی ذرا بُو نہ تھی —— اس نے فقیرانہ بسر کی اور اپنے ماحول پر قاہرانہ نظر رکھی۔

بالآخر رحمۃ للعالمین (ﷺ) کے ماہِ محبوب شعبان المعظم کو وہ ماہِ نیم ماہ، مہرِ نیم روز کی مانند چمک کر عالم فانی سے غروب ہو گیا اور پھر آب و تاب سے عالم باقی میں طلوع ہوا ——

؎ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

آؤ آؤ اس ''خورشیدِ جہاں تاب'' کا نظارہ کر لیں، اس کی ضوفشانیوں سے اپنے دل منور کر لیں —— جس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت شاہ کرامت اللہ خان صاحب دہلوی علیہ الرحمہ یہ پیش گوئی فرما رہے ہیں:

''میرے بعد اگر کوئی چراغ روشن ہوا تو وہ مولانا مظہر اللہ ہوں گے۔''[۱]

شمعِ کون و مکاں کی آمد ہے ۔۔۔ مظہرِ کن فکاں کی آمد ہے
قبلۂ عارفاں کی آمد ہے ۔۔۔ کعبۂ زاہداں کی آمد ہے
بے کسوں کی چارہ سازی کو ۔۔۔ طاقتِ ناتواں کی آمد ہے
پھر طریقت کا باغ مہکے گا ۔۔۔ ابر گوہرفشاں کی آمد ہے
بے قرارو! نہ اتنا گھبراؤ ۔۔۔ راحتِ قلب و جاں کی آمد ہے
فیضِ مسعود رہے گا جاری ۔۔۔ سیلِ بحرِ رواں کی آمد ہے

کیوں نہ مسرور روحِ کاوشؔ ہو
راحتِ دلبراں کی آمد ہے[۲]

۱۔ یہ پیش گوئی جناب فیروز الدین شملوی نے روایت کی ہے۔ موصوف نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے خود [illegible]

[illegible]

۲۔ [illegible] احمد خاں [illegible] علیہ الرحمہ۔

آباءواجداد

آپ کے جد امجد حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ ایک مشہور و معروف عالم و عارف، ولی کامل اور محدث وقت تھے۔ آپ کا سلسلہ حدیث حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ آپ کی علمیت و فقاہت پر ان کی تصنیف ''فتاوٰی مسعودی'' شاہد ہے۔ جسے کراچی سے سرہند پبلی کیشنز نے ۱۹۸۷ء میں شائع کر دیا ہے ——— جن کی ولایت پر بقول مولانا حبیب النبی (بیکی شریف، سرحد) یہ حقیقت گواہ ہے کہ اکابر دیوبند کے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ (م۔۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) نے ان کی صحبت کیمیا اثر میں سلوک نقشبندیہ طے کیا۔ اس سے حضرت فقیہ الہند کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے [۱] سچ ہے:

؎ دربار شہنشہی سے خوش تر مردانِ خدا کا آستانہ

حضرت فقیہ الہند کے بہت سے خلفاء تھے، جن کا ذکر کتب سیر میں آچکا ہے۔ حضرت کے ایک مرید خاص مولانا ارشاد علی علیہ الرحمہ تھے [۲] جن کو حضرت مولانا محمد رکن الدین علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ مولانائے موصوف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کا مزار مبارک کونڈ بوندی (بھارت) میں دریائے چنبل کے کنارے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۔ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے درج ذیل مآخذ کا مطالعہ کیا جائے:

- محمد مسعود احمد: شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ، ماہنامہ المعارف، لاہور شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء
- محمد مسعود احمد: تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء، حصہ اول
- محمد امیر الدین: تکثیر ابر کرم، ص ۱۰۲، مطبوعہ ۱۸۸۸ء
- محمد ہدایت اللہ نقشبندی: معیار السلوک و دافع الاوہام والشکوک، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء، ص ۳۳۹
- محمد امان اللہ: وصال الجمیل، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۶ء، ص ۹

۲۔ مولانا ارشاد علی الوری کے حالات زندگی پر ان کے صاحبزادے مولانا محمود الحسن زیدی الوری علیہ الرحمہ نے ''حیات ارشاد'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی ——— مسعود

مولانا ارشاد علی الوری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولوی محمود الحسن زیدی علیہ الرحمہ کو حضرت حجۃ الاسلام حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا سید علی حسین شاہ اشرفی علیہما الرحمہ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

والدِ ماجد

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ حضرت فقیہ الہند کے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر تھے۔

حضرت مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد سے بیعت تھے اور انہیں سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ صاحب جذب اور عالم وفاضل تھے۔ آپ کا ایک فتویٰ محررہ ۱۸۸۷ء مجموعہ فتاویٰ (مطبوعہ مطبع صدیقی، لاہور ۱۸۹۰ء) میں موجود ہے۔

ولادت وتربیت

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہٗ العزیز[1] پاک وہند کے سربرآوردہ علماء وصوفیہ میں سے تھے ـــــ آپ دہلی کے ممتاز عالم وفقیہ، جلیل القدر فاضل اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ طریقت حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) کے نامور پوتے اور دہلی کے معروف عالم وعارف حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۸۹ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ اور ہندوستان کے مشہور صوفی حضرت جلال الدین تھانیسری[2] رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے تھے۔

مفتی صاحب نسباً فاروقی، مسلکاً حنفی، مشرباً نقشبندی مجددی اور موطناً دہلوی تھے۔[3]

۱۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر حضرت علیہ الرحمہ کے نامِ نامی اسم گرامی کا آئینہ دار ہے:

؎ جان در اول مظہر درگا شد　　جان جان مظہر اللہ شد

۲۔ شیخ جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کیا جائے:

- عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، ص ۳۹۵
- عبد الحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۸۲
- عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، ص ۲۸۵
- مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ص ۴۳۹

۳۔ شاہ محمد مسعود: نور العرفان (قلمی) ص ۱۰۲ ـــــ لیکن آپ کی ایک تصنیف "درۃ الیتیم فی القرآن العظیم" (مؤلفہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صدیقی ہیں۔

حضرت مفتیٔ اعظم ۱۵؍رجب المرجب ۱۳۰۳ھ/۲۱؍اپریل ۱۸۸۶ء کو[1] دارالسلطنت دہلی میں جلوہ افروز ہوئے۔حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ (م۔۱۸۹۹ء) نے آپ کا نام "مظہر اللہ" رکھا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس بزرگ ہستی نے آپ کا نام نامی تجویز فرمایا، اسی نے بیعت سے سرفراز فرما کر کندن بنایا۔

۱۸۸۹ء میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔اور دوسرے ہی سال ۱۸۹۰ء میں آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں —— چار سال کی عمر میں یتیم و یسیر ہوگئے — اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو بے سہارا بنا کر اپنا سہارا عطا فرماتے ہیں۔اور جس کو اس کا سہارا مل جائے تو پھر اس کو کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

چھوڑ کر در کو ترے جائے کہاں تیرا گدا
تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا (مظہر)

کفالت

والدین کے وصال کے بعد ۱۸۸۹ء سے آپ کے جد امجد حضرت مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ نے کفالت فرمائی۔حضرت علیہ الرحمہ ابھی چھ سال ہی کے تھے کہ ۱۸۹۱ء میں حضرت جد امجد علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا —— چنانچہ ۱۸۹۱ء سے نانی صاحبہ علیہا الرحمہ نے کفالت فرمائی —— ۱۸۹۸ء میں یہ بھی رحلت فرما گئیں۔اس وقت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی عمر شریف تیرہ سال تھی۔

۱۸۹۸ء سے عم محترم اور خالو حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ (م۔۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء) نے اپنی کفالت میں لے لیا —— حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ کا سلسلۂ حدیث چار واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے —— بعض ذرائع سے

۱۔اخلاق حسین دہلوی، علامہ: مفتی اعظم، ماہنامہ عقیدت، دہلی، شمارہ اگست ۱۹۶۲ء

حضرت علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ کریں:

● تذکرہ مظہر مسعود، حصہ دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ● مکاتیب مظہری، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

معلوم ہوا ہے کہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ بھی حضرت مولانا موصوف کے تلمیذ رشید تھے ——— مفتی صاحب نے آپ ہی کفالت میں تعلیم مکمل کی اور ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔

کچھ سنتیں اختیاری ہوتی ہیں اور کچھ سنتیں اختیاری نہیں، بچپن ہی میں یتیمی و یسیری، پھر جد امجد اور عم محترم کی بالترتیب کفالت۔ اس طرح ابتداء ہی سے حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں سیرت نبوی ﷺ کی جھلک نظر آنے لگی۔ ع

صباغة صبغ المحب حبيبهٔ

جو اُن کے ہو جاتے ہیں، ان کی دستگیری فرما کر محبوب کی راہوں پر چلاتے ہیں۔ راہِ جاناں سے بہتر اور کون سی راہ ہے! ——— سیرت کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے۔ ع

کافی ہے بس اک نسبت سلطانِ مدینہ

حضرت کی دودھیال تو علم و فضل کا گہوارہ تھی مگر ننھیال بھی علمیت و فضیلت اور دینی و دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے ممتاز تھی ——— حضرت کے نانا حافظ عبدالعزیز مرحوم ریاست جھجر کے ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب ریاست کا شیرازہ بکھر گیا تو آپ ریاست پاٹودی تشریف لے آئے اور یہاں نوابین ریاست کے اتالیق رہے۔ بعد میں میر منشی کے ممتاز عہدے پر فائز ہوئے ——— یہ تمام حالات حضرت کے برادر عم زاد محترم عبدالرشید صاحب مرحوم (مجسٹریٹ، درجہ اول ریاست پاٹودی) نے اپنے قلمی دیوان کے مقدمہ میں لکھے ہیں [1]

تعلیم و تعلّم

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے قرآن کریم سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ تھوڑے عرصہ میں قرآن مجید حفظ فرمالیا اور فن تجوید و قرأت میں کمال حاصل کیا۔

دہلی میں بے شمار حفاظ اور قُرّاء موجود تھے۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ کی قرأت کی شان ہی

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: عبدالرشید خاں لائق، ماہنامہ قومی زبان، کراچی، شمارہ اکتوبر نومبر ۱۹۷۶ء

کچھ اور تھی۔ جن کانوں نے یہ قرأت سنی ہے، اس کی شیرینی وحلاوت اور لطافت و پاکیزگی بھلائے نہیں بھولتی ـــــ امام جزری علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف ''النشر فی القرآت العشر'' میں قرأت کی جو تعریف کی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی قرأت اس تعریف کی ترجمانِ صادق تھی۔ امام جزری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تجوید نہ تو زبان کے چبانے کو کہتے ہیں اور نہ منہ میں گڑ ھاڈالنے کو، نہ جبڑے کو ٹیڑھا کرنے کا نام تجوید ہے۔ نہ آواز میں کونج پیدا کرنے اور نہ تشدید کو سختی سے کھینچنے اور مد کو کاٹنے اور غنات (نون غنہ) کی بھبھاہٹ کا نام تجوید ہے، اور نہ راؤں کو ٹٹے کا۔ کہ ان کرتبوں سے قرأت ایسی ہو جاتی ہے کہ طبعیتیں اس سے متنفر ہوں اور دل و کان سُننا نہ چاہیں ـــــ بلکہ قرأت ایسی سہل، شیریں اور لطیف ہونی چاہیے کہ جس میں نہ چبانا ہو، نہ منہ میں پھرانا، نہ بے راہ روی اور تکلف ہو۔ نہ تصنع یا عجلت پسندی ہو، اور نہ وجوہ قرأت وادا کے باب کی عادتوں اور فصحاء کے کلام سے کسی طور تجاوز ہو۔''[1]

حفظ قرآن کریم اور تجوید و قرأت میں کمال کے بعد علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل اپنے عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ سے فرمائی۔ جن کا سلسلہ حدیث متعدد واسطوں سے حضرت شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ مولانائے ممدوح کے علاوہ حضرت نے معاصرین علماء کرام سے بھی شرف تلمذ حاصل فرمایا۔

اس کے بعد ذاتی مطالعے سے مختلف علوم وفنون میں وہ کمال پیدا کیا کہ باید وشاید۔ مثلاً تفسیر واصول تفسیر، فقہ واصول فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، ادب، صرف ونحو، علم توقیت علم الفرائض (میراث) اور خطاطی وغیرہ۔

فتوٰی نویسی

بالخصوص فن فتوٰی نویسی میں وہ مہارت پیدا کی کہ معاصرین میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا ـــــ مسائل فقہیہ پر حضرت کو جو عبور تام حاصل تھا وہ ہر طبقۂ فکر میں مسلم تھا۔ فتوٰی نویسی میں

۱۔ راغب طباخ: تاریخ افکار وعلوم اسلامی (ترجمۂ اردو افتخار احمد بلخی)، ص ۱۹۲، ۱۹۵، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء

حضرت کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔آپ کے فتوے پاک و ہند کے طول وعرض میں تسلیم کیے جاتے تھے۔آپ نے تقریباً (۷۰) ستر سال مسجد فتحپوری میں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیے۔آپ کے تحقیقی اور بے لاگ فتوؤں کے مخالف وموافق دونوں معترف تھے۔اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ آپ نے کبھی اپنے وبیگانے کی رورعایت نہیں کی اور حق وانصاف کے تقاضوں کے تحت فیصلہ صادر فرمایا۔چنانچہ ایک جگہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

''الحمدللّٰہ علیٰ احسانہٖ!میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہیں کیا،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت راسخ ہوگئی ــــــ اسی طرح اپنے دوست کی طرف باطل دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی، اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہوگیا۔لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پرواہ رہی نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف۔ والحمدللّٰہ علیٰ ذٰلک''[1]

حضرت علیہ الرحمہ کی اسی ہردلعزیزی اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کراچی کے ایک شاعر جناب گلزار دہلوی نے کہا ہے:؎

اپنے تو پھر بھی اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی زباں پہ بھی شہرہ تمہارا ہے

افغانستان کے مشہور عالم و عارف حضرت نورالمشائخ مجددی کابلی علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۶ء)حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی علمیت وروحانیت کے دل سے معترف تھے اور فرماتے تھے:

''مفتی مظہر اللہ مرد باطن است وعالم خوب است''

فتویٰ نویسی میں آپ اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز تھے۔آپ کے فتوے کسی وکیل کی تحریر معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی جج کا فیصلہ معلوم ہوتے ہیں۔آپ نے کبھی کسی کی وکالت نہیں کی۔ساری زندگی عدالت ہی عدالت کی۔مدعی اور مدعا الیہ میں سے نہ کسی کی تعظیم وتوقیر کی اور نہ

ا۔ دار الافتا دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۶ء ص ۴۰

کسی کی تذلیل و تحقیر، کیونکہ یہ بات مقام عدل کے منافی ہے۔[۱]

مفتی اعظم علمیت و روحانیت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ علمیت پر ان کے فتاویٰ شاہد ہیں اور روحانیت پر ان کی بے مثال مقبولیت اور مرجعیت۔

مفتی اعظم کے فتوے پاک و ہند میں دور دراز علاقوں میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور آج بھی فقہی مسائل پر چھپنے والی کتابوں میں مفتی اعظم کے فتووں کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ پشاور اور بدین وغیرہ سے شائع ہونے والے چند رسائل میں مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حوالے موجود ہیں، ملاحظہ ہوں:

- داڑھی کی اسلامی حیثیت — از مولوی شمس الدین ہزاروی
- داڑھی منڈے امام...... — از محمد امیر شاہ گیلانی، پشاور ۱۹۷۱ء
- تبلیغ قرآن و حدیث کی روشنی میں — از ظاہر شاہ میاں قادری، مدین ۱۹۷۷ء
- عشقِ رسول — از ظاہر شاہ میاں قادری، مدین ۱۹۷۸ء

وغیرہ وغیرہ

مسلک اہل سنت و جماعت کے اس عظیم عالم و عارف اور مفتی کے فتاویٰ پر لائڈن یونیورسٹی، ہالینڈ میں تحقیق ہو رہی ہے۔[۲]

بیعت و ارشاد

۱۸۹۸ء میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی عمر تیرہ سال تھی۔ اس زمانے میں آپ نانی صاحبہ کی کفالت میں تھے۔ اسی زمانے میں حضرت کے جد امجد کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین الوری علیہ الرحمہ[۳] (م ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) پنجاب کے مشہور بزرگ، وقت کے عارف

۱۔ انوار مظہریہ ص:۳۳

۲۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حاشیہ ''گویا دبستاں کھل گیا''، ص۱۳، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء

۳۔ حضرت شاہ رکن الدین الوری علیہ الرحمہ حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے اجلۂ خلفاء میں تھے۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کا رسالہ ''رکن دین'' شہرت دوام حاصل کر چکا ہے۔ آپ کا مزار مبارک الور (راجستھان، بھارت) میں واقع ہے —— آپ کے صاحبزادے اور حضرت مفتی اعظم کے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری حیدرآباد سندھ میں رونق بخش مسند ارشاد تھے۔ وہیں مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ انہوں نے آپ کے تفصیلی حالات پر ''مصباح السالکین'' کتاب لکھی (مطبوعہ ۱۹۳۶ء دہلی)۔ ۲۰/ اور ۲۱/ شوال کو حیدرآباد سندھ میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔

کامل حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ[1] (م ۔ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کی طلب خاص پر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو ساتھ لے کر مکان شریف (رتڑ چھتڑ ضلع گورداس پور، مشرقی پنجاب، بھارت) حاضر ہوئے۔ سرحد پاکستان سے مقبرہ شریف کا منظر بڑا دل فزا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرمایا۔ اور ایسی توجہ خاص سے نوازا کہ بے خود کر دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ کے سپرد کر دیا۔ چونکہ بیعت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۹۹ء میں حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تربیت فرمائی اور بفضلہ تعالیٰ چاروں سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازا۔

علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے سلسلۂ بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا۔ بے شمار لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ آپ کے مریدین و معتقدین پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، بلکہ بلادِ اسلامیہ میں موجود ہیں۔

ے جاز الجمال فصار یشهد صورة
فیها وکم اروی العطاش شرابها

۱۔ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جدِ امجد حضرت مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمہ (م ۔ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ حضرت مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ ہی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ جبکہ سندِ اجازت و خلافت اپنے والد ماجد مرآۃ المحققین حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ آپ جس پر لطف کی نظر فرما دیتے، اسکو ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتے۔ آپ کے پیرو مرشد و والد گرامی حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ نے آپ کو اس خصوصی دعا سے نوازا:

''جو لوگ تمہارے دامن سے وابستہ ہوں، ہمیشہ مقبول و مسرور ہوں۔''

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مرجعیت اسی دعا کی اجابت کی کرامت تھی۔

قاضی قائم الدین قانون گو نے ''ذکرِ مبارک'' کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی جس کی دوسری جلد حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمہ کے حالات پر تھی ـــــ اسی طرح مولوی سید احمد علی مرحوم نے ''آثارِ قیومیہ'' کے نام سے آپ کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی۔ دونوں کتابیں نایاب ہیں۔

آپ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کی جائیں:

- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تذکرہ مظہر مسعود، حصہ اول، ص ۳۲ تا ۴۲ مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء
- محمد ابراہیم، صوفی: خزینہ معرفت، مطبوعہ ۱۹۳۱ء، ص ۱۱۴
- محمد امین شرقپوری: اولیاء نقشبند، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۳ء، ص ۱۵۷

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے مکاتیب گرامی میں بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے شیخ طریقت کا ذکر فرمایا ہے اور اکثر مریدین کو اسی طرف متوجہ ہونے کی تلقین فرمائی:

''اپنے دادا پیر حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح اطہر کو ثواب پیش کریں، اور ان کے وسیلہ سے دعا کریں۔''[1]

ایک اور مرید عزیز الدین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

''اپنے دادا پیر حضرت صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایصال ثواب کرتے رہیں، اور ان سے علاقۂ خاص پیدا کریں کہ مثمر ثمرات ہے۔''

اسی طرح ایک اور مرید محمد احمد قریشی صاحب کے نام ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''اپنے دادا پیر سید صادق علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کو ایصالِ ثواب کرتے رہیں، اور مولیٰ سے دعا کریں کہ میری اعانت کے لیے ان کو سفارشی فرما، اور پھر ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔''[2]

مرید موصوف ہی کے نام ایک اور مکتوب گرامی میں نہایت عقیدت ومحبت سے تحریر فرماتے ہیں:

''تمہیں سفارتاً اجازت دی جاتی ہے کہ کوئی بیعت ہونا چاہے تو اپنے ہاتھ پر میری بیعت لے لو اور اس کو توجہ دیتے رہو اور علاقہ حضرت مولیٰ وملجا مرشدی حضرت (سید صادق علی شاہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ سے مضبوط رکھو کہ دارین میں وہی مشکل کشا ہیں۔''

ایک اور مرید سید نواب علی صاحب کے نام ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

''تمہارا خواب نہایت مبارک ہے جو اس پر دلیل ہے کہ تمہیں دادا پیر صاحب سے علاقہ ہوگیا ہے، جو مثمر فوائد عظیمہ ہے۔ حضرت کی روح پُر فتوح کو ہمیشہ اعمال صالحہ کا ثواب ہدیۂ پیش کرتے رہیں۔''[3]

۱۔ مکتوب بنام عبدالستار، مرسلہ ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۷ء

۲۔ مکتوب بنام محمد احمد قریشی، موصولہ ۷/ مئی ۱۹۵۳ء

۳۔ مکتوب بنام سید نواب علی، مرسلہ ۱۷/ جنوری ۱۹۵۷ء

مفتی غلام سرور لاہوری (م ۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کے معاصرین میں تھے ۔ موصوف نے چشم دید حالات لکھے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"حضرت (امام علی شاہ) کی وفات کے بعد سید صادق علی شاہ ان کے فرزند ارجمند مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے، جو اپنے والد کی طرح کمال خلیق و خوش خلق و مہمان نواز و صاحب دولت و جاہ ہیں —— حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جامہ فقر میں ان کو بادشاہت بخشی ہے —— سید صادق علی شاہ کی زیارت سے مولف کتاب بھی مستفید ہوا ہے ۔ سبحان اللہ ! کیا کہنا ہے ۔ نہایت بزرگ و باخدا مرد ہیں ۔ درود شریف کا ذکر اکثر اوقات ان کی مجلس میں ہوتا ہے اور ذکر نفی و اثبات دائمی وِرد ہے —— اس سال میں حضرت کا جوان لڑکا فوت ہوگیا، حضرت نے کمال صبر کیا اور کسی طرح کی شکایت زبان پر نہ لائے ۔"[۱]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ علم و فضل، زُہد و تقویٰ اور صبر و استقامت میں اپنے شیخ کامل حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کا آئینہ دار تھے ۔[۲]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دہلی کے مشہور و معروف بزرگ حضرت شاہ محی الدین عبداللہ ابو الخیر کابلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۔ ۱۹۴۲ء) سے بھی استفادہ فرمایا ۔ چنانچہ حضرت مولانا ابو الحسن زید فاروقی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"جناب مفتی مظہر اللہ، امام مسجد فتحپوری، سالہا سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ۱۳۸۵ھ میں اس عاجز سے حضرت سید الوالد کے کچھ حالات بیان کیے اور کہا:

"میں کئی سال تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میری یہ کیفیت ہوگئی کہ بجائے اپنے پیر و مرشد کے آپ کا تصور کرنے لگا ۔ اس میں میرے ارادے کو دخل نہ تھا ۔ اسی زمانے میں آپ نے ایک دن تبسم فرما کر ارشاد کیا:

۱ ۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۴۵

۲ ۔ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ نے "تفسیر صادق" کے نام سے تیسویں پارے کی فارسی میں تفسیر لکھی تھی، جس میں رنگ عارفانہ ہے ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰ء حضرت علامہ مفتی محمود الوری (حیدرآباد سندھ) کے کتب خانے میں موجود ہے —— مسعود

''مولوی مظہر اللہ! تم مانو یا نہ مانو، ہم تمہارے بیر ہو گئے ہیں۔''

یہ واقعہ بیان کر کے مفتی مظہر اللہ صاحب کے آنسو نکل آئے، اور اس وقت کی لذت کا کچھ بیان کیا۔''[۱]

حضرت علیہ الرحمہ بالعموم سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت فرماتے تھے، مگر بعض طالبین اپنے اپنے فطری رجحانات کے باعث دیگر سلاسل میں بھی بیعت ہوتے رہے۔

آپ کے خلفاء و سفراء بھی پاک و ہند کے مختلف شہروں میں موجود ہیں —— حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی حیات طیبہ میں بکثرت ہنود و نصاریٰ کو مشرف باسلام کیا۔ آپ کی زندگی کا یہ باب نہایت ہی روشن و تابناک ہے۔ تقسیم ہند کے بعد جبکہ ہندوستان میں اسلام کی طرف دعوت دینے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے مومنانہ بے باکی کے ساتھ بہت سے ہندوؤں کو حلقۂ بگوشِ اسلام کیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کے ان فیوض و برکات پر روشنی ڈالتے ہوئے لاہور کے ایک شاعر جناب کوثر صدیقی کہتے ہیں:

نگاہ فیض سے پتھر کو پارس کر دیا جس نے
بُرے انساں کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے

وسعت مطالعہ

آپ کے کتب خانے میں تقریباً دس ہزار کتابیں تھیں، اور یہ سب کی سب آپ کی نظر سے گزر چکی تھیں۔ چنانچہ آپ کے پوتے صاحبزادہ مولانا مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہٗ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ ان سے فرماتے تھے:

''یہ ساری کتابیں میری نظر میں ہیں، اور ہر کتاب کی جگہ میرے ذہن میں ہے۔

۱۔ زید ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، مطبوعہ دہلی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ص ۳۸۹، ۳۲۷

نوٹ:۔ حضرت مولانا زید صاحب مدظلہ العالی، حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز کے فرزند ارجمند اور جانشین ہیں۔ اس وقت دہلی میں خانقاہ مظہریہ میں فیض رساں ہیں —— مسعودؔ
حضرت زید علیہ الرحمہ ۱۹۹۳ء میں وصال فرما گئے —— طاہرؔ

بغیر روشنی کے بھی اپنی مطلوبہ کتاب جگہ پر سے نکال سکتا ہوں —— یہ ساری کتابیں میں نے مطالعہ کی ہیں، اور ایک ایک کو پڑھتا رہا اور رکھتا رہا۔''

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب لکھتے ہیں:

''میں نے حضرت کو خود دیکھا ہے کہ حضرت بغیر روشنی کے مطلوبہ کتاب بآسانی نکال لیتے تھے۔''[۱]

یہ تو وہ کتابیں تھیں جو مفتی اعظم کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں۔ سینکڑوں کتابیں وہ بھی ہیں جو مطالعہ کے بعد ان کے مالکوں کو واپس کر دی گئیں۔ مفتی اعظم صبح سے شام بلکہ رات تک مصروف رہتے تھے۔ سارا وقت لکھنے پڑھنے اور پڑھانے میں صرف ہوتا۔ اور یہ سلسلہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا۔ اس سے حضرت مفتی اعظم کے وسعت مطالعہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم کے فقہی فیصلوں اور مواعظ میں بڑی گہرائی، جامعیت اور ہمہ گیریت ہوتی ہے۔ مخالف اور موافق سب اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

لاہور میں مفتی اعظم کا عرس ہوتا ہے۔ ایک عرس میں ''مواعظ مظہری'' سے جب حضرت کا ایک وعظ سامعین کو سنایا گیا تو سب لوگ بے حد متاثر ہوئے اور سیالکوٹ کے ایک پروفیسر محمد اجمل صاحب نے فرمایا:

''آج بہت عرصہ بعد وہ باتیں سننے میں آئیں جو حقیقتاً عقائد کی بنیاد ہیں اور جن کو سننے کے لیے جی چاہتا تھا۔''[۲]

سلسلۂ درس وتدریس

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ابتداء میں سلسلۂ درس وتدریس بھی جاری رکھا۔ چنانچہ بکثرت طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن میں:

- حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری
- حضرت مولانا حکیم مشتاق احمد حیدری

۱۔ مکتوب محررہ ۱۰/ مارچ ۱۹۷۶ء از دہلی

۲۔ مکتوب مولوی محمد احمد قریشی، اکاؤنٹس آفیسر، لاہور

- حضرت مولانا غلام قادر اشرفی [1]

خاص طور پر قابل ذکر ہیں ـــــــ یہ تینوں حضرات سندھ اور پنجاب میں سلاسل عالیہ نقشبندیہ اور چشتیہ و قادریہ کے سجادہ نشین ہیں ـــــــ ان کے علاوہ صاحبزادگان میں:

- حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد
- حضرت مولانا محمد احمد
- حضرت مولانا منور احمد
- حضرت منظور احمد رحمہم اللہ تعالی اور
- حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد (جامع مسجد فتحپوری، دہلی)
- راقم الحروف محمد مسعود احمد
- ڈاکٹر محمد سعید احمد

اور پوتوں میں:

- مولانا محمد آصف جاہ
- مولانا مفتی محمد مکرم احمد
- مولانا محمد معظم احمد اور
- مولانا محمد ظفر الدین

سلمہم اللہ تعالی قابل ذکر ہیں ـــــــ ان کے علاوہ اور بہت سے تلامذہ ہیں۔

امامت وخطابت

مسجد جامع فتحپوری [2] (دہلی) کی امامت وخطابت کا سلسلہ شاہانِ مغلیہ کے زمانے سے حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا ـــــــ جد امجد علیہ الرحمہ سے قبل اُنکے برادر نسبتی

۱۔ جناب محمد صادق قصوری نے اپنی تالیف ''اکابر تحریک پاکستان'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۷۶) میں آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی اعظم کا اسم گرامی لکھا ہے ـــــــ مسعود

۲۔ یہ مسجد ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء میں شاہجہان بادشاہ کی اہلیہ فتحپوری بیگم نے تعمیر کرائی تھی۔ جو عرصہ دراز سے علمیت و روحانیت کا مرکز ہے۔ تحریک آزادی ہند کے زمانے میں اس مسجد کو مرکزیت حاصل رہی ہے ـــــــ تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ مطالعہ کریں:

1. سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی ۱۸۴۷ء، ص ۵۶
2. بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی، مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۹ء، ص ۶ ـ ۲۲۴
3. منشی بلاقی داس: غنچۂ عشرت، مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۶ء
4. مرزا حیرت دہلوی: چراغ دہلی، مطبوعہ دہلی ۱۹۰۳ء، ص ۲۰ ـ ۳۵

حضرت مولانا غلام مصطفٰی علیہ الرحمہ منصب امامت پر فائز تھے۔ ان سے قبل ان کے والد ماجد حضرت مولانا حیدر شاہ علیہ الرحمہ امامت فرماتے رہے۔۱

آپ کے جد امجد حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ، بہادر شاہ ظفر کے عہد حکومت میں اس منصب جلیلہ امامت و خطابت پر فائز ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا احمد سعید علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) جانشین ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء) جانشین ہوئے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں جب حضرت علیہ الرحمہ علم و فضل میں کامل ہوگئے اور جوان ہوگئے تو عہدہ امامت و خطابت آپ کو تفویض کر دیا گیا اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب سبکدوش ہوکر گوشہ نشین ہوگئے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے جس فرض شناسی اور پر وقار طریقے سے متعلقہ فرائض کو انجام دیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ستر سال اس منصب پر فائز رہے۔ لیکن عملاً تقریباً نصف صدی امامت فرمائی ہے۔۲

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی سے یہ مسجد جو پہلے ہی علوم ظاہری و باطنی کا مرکز تھی، سرچشمۂ علم و حکمت اور معرفت کا گہوارہ بن گئی۔ اور آپ کی شہرت کے ساتھ ساتھ مسجد فتحپوری کی عظمت و شوکت دوبالا ہوگئی۔ اور علوم ظاہری و باطنی کا ایک ایسا مرکز بن گئی جو اپنی نظیر آپ تھی۔

۱۔ یہ تمام تفصیلات حضرت کے جد امجد علیہ الرحمہ نے ضمناً اپنی قلمی تصنیف ''فتاویٰ مسعودیہ'' میں تحریر فرمائی ہیں۔

۲۔ حضرت مفتی اعظم کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ نے تقریباً ۲۵ سال نیابۃً امامت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۴۷ء میں جب وہ پاکستان تشریف لائے تو یہ فرائض حضرت کے دوسرے صاحبزادے مولانا الحاج محمد احمد علیہ الرحمہ انجام دیتے رہے۔ حضرت جب ضعیف و نحیف ہوگئے تو پھر آپ ہی نے کلیۃً امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آج کل حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد مدظلہ العالی اور پوتے مولانا محمد مکرم احمد سلمہ اللہ تعالیٰ (ابن حضرت مولانا محمد احمد علیہ الرحمہ) امام امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں ــــــ مسعود

چنانچہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اس شعر میں مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وہ کاش اس نکتہ کی تہہ کو پہنچ جائیں کہ دہلی میں
مسلمانوں کی عزت کی نشانی فتح پوری ہے [1]

حجاز کا ایک شاعر محمد شریف المکی آپ کی مدح میں کہتا ہے:

امام کامل یدعی بحق ــــــ محمد مظہر اللّٰہ الامینا
امام المسجد المشہور قلما ــــــ فتحبوری مقام الذاکرینا

حضرت ضیاء القادری بدایونی نے بھی حضرت علیہ الرحمہ کی منقبت میں امامت وخطابت اور عظمت وشہرت کا اس طرح ذکر کیا ہے:

گو خطیب باصفا مسجد فتحپوری میں ہیں
ایشیاء میں آپ کی عزت مگر ہے بے کراں

مسجد فتحپوری کو ہمیشہ سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ یہاں علماء وصوفیہ اور سیاست دان سب ہی آتے رہے ہیں۔[2] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ[3] (م ۱۷۶۲ء) بھی یہاں تشریف لائے ہیں ـــــ حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۱ء) نے بھی اوائل عمر میں یہاں قرآن کریم سنایا ہے[4]

۱۔ ظفر علی خاں، مولانا: چمنستان، ص ۱۲۹

۲۔ تحریک آزادیٔ ہند کے زمانے میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، قائداعظم محمد علی جناح، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مظہر الدین شہید، شہید ملت لیاقت علی خاں، علامہ عنایت اللہ مشرقی وغیرہ اور بہت سے علماء وسیاست داں آتے رہے۔ ان میں سے بعض نے مسلسل تقریریں بھی کیں ـــــ مسعود

۳۔ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۰۷

۴۔ (ا) سید حیدر حسین علی پوری: تذکرہ شہ جماعت، مطبوعہ ۱۹۷۳ء

ب: اختر الدین: صوفیائے نقشبندیہ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۵۲

حضرت علیہ الرحمہ کی اقتداء میں نماز میں وہ لطف آتا کہ بایدوشاید۔ یکسوئی اور توجہ الی اللہ کا وہ عالم ہوتا کہ کہیں نہ دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔ حضرت مولانا حامد جلالی علیہ الرحمہ (از اولاد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ) فرماتے تھے:

> ''مسجد فتحپوری میں حضرت کے پیچھے بیس تیس سال نمازیں پڑھیں، لیکن اس طویل عرصے میں حضرت کو کبھی سہو نہیں ہوا۔ یہ دلیل ہے حضرت کی توجہ کامل کی، اور یہ عظیم کرامت ہے۔''

جب یہ توجہ کامل میسر آجائے تو نماز معراج المومنین کیوں نہ ہو، اور کیوں نہ اس نماز میں حضوری کی وہ کیفیت پیدا ہو کہ دل سینوں سے نکل پڑیں ـــــ حضرت جب تلاوت فرماتے نزولِ وحی کا سماں بندھ جاتا، دل لرزنے لگتے، کلیجہ کانپنے لگتا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات گرامی سے یہ مسجد مرجع خاص و عام بن گئی تھی۔ ہند و بیرونِ ہند سے بے شمار فتوے چلے آتے اور انہیں فتووں کی روشنی میں مسلمانوں کے سیاسی اور غیر سیاسی معاملات طے کئے جاتے ـــــ اہل حاجت وظائف و تعویذات کے لیے چلے آتے اور ان سب کی خدمت محض لوجہ اللہ کی جاتی اور کسی سے اپنی ذات کے لیے کچھ نہ لیا جاتا۔

ماہِ رمضان المبارک اور ماہِ ربیع الاوّل شریف میں اس مسجد کی رونق دیدنی ہوتی۔ حُفاظ کی قرأت سے مسجد کی فضائیں گونجتی رہتی تھیں۔ ۱۲ ربیع الاوّل کی شب اور صبح کو سرکارِ دوعالم ﷺ کی آمد آمد کی خوشی میں عجب اہتمام ہوتا۔ نمازِ فجر سے پہلے صلوٰۃ و سلام پر محفل ختم ہوتی۔ نمازِ فجر کے بعد منوں مٹھائی تقسیم کی جاتی، اور پھر صبح سے شام تک دیگوں کھانا کھلایا جاتا ـــــ یہ سب کچھ حضرت مفتی اعظم کی سرپرستی اور نگرانی میں ہوتا۔ اس مبارک موقع پر حضرت کی مسرت کا عالم دیدنی ہوتا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

پاک و ہند میں روحانیت سے بھرپور ایسی مرنجاں مرنج محفل دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس محفل پاک میں اخلاص ہی اخلاص ہوتا۔ محبت ہی محبت ہوتی ـــــ چنانچہ مولانا محمد حسن حقانی (ممبر صوبائی اسمبلی، سندھ) کے جد امجد حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ المتخلص بہ حاقؔ،

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی منقبت میں فرماتے ہیں:

مولوی مظہر اللہ شیخ المسلمین طالب ذکر نبی ہیں اور خواہاں کچھ نہیں

وعظ و نصیحت

حضرت علیہ الرحمہ نے ساری عمر زبان و قلم سے تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ادا کیا ——— لکھنے والے لکھتے ہیں، بولنے والے بولتے ہیں، مگر اہل اللہ کا بولنا اور لکھنا کچھ اور ہی چیز ہے:

- ——— ان کی تقریر میں غضب کا جادو ہے،
- ——— ان کی تحریر میں قیامت کی کشش ہے،

حضرت جمعہ کے جمعہ مختصر مجالس میں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے، جو دلوں میں اتر جاتی تھی ——— مکاتیب گرامی میں جب کبھی موعظت کا باب کھلتا ہے تو تاثیر اپنا اثر دکھاتی ہے۔ یہ تاثیر و دل نشینی کہاں سے آئی؟ ——— حضرت ابو صالح حمدون علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

"لانهم تكلمون لعز الاسلام ونجات النفوس ورضاء الرحمٰن ونحن نتكلم لعز النفس وطلب الدنيا وقبول الخلق۔"[۱]

"وہ جو کچھ فرماتے تھے، اسلام کی عزت، لوگوں کی نجات اور رضاء الٰہی کے لیے فرماتے تھے ——— اور ہم جو کچھ کہتے ہیں عزتِ نفس، طلبِ دنیا اور مخلوق میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے کہتے ہیں۔"

محامد و محاسن

حضرت علیہ الرحمہ کی صفات حمیدہ انبیاء علیہم السلام کے محامد جلیلہ کی آئینہ دار تھیں۔ جو ان حضرات کے رنگ میں رنگ گیا، وہ اپنا پورا پورا اثر دکھاتا ہے، اور بسا اوقات حیرت انگیز انقلابات برپا کرتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی میں سخاء و رضا، صبر و سکوت، فقر و غربت سب ہی کچھ موجود تھا۔ اور یہ سب صفاتِ انبیاء ہیں ——— حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۱۔ کشف المحجوب: ص ۱۵۹

''اما السخاء فلابراهیم واما الرضاء فلاسمٰعیل

واما الصبر فلایوب واما الاشارہ فلزکریا واما الغربۃ فلیحیٰی ——

اما الفقر فلمحمّد صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم و علیہم اجمعین [۱]

''● —— سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے، ——

● —— رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے، ——

● —— صبر حضرت ایوب علیہ السلام سے، ——

● —— سکوت وخاموشی حضرت زکریا علیہ السلام سے، ——

● —— وطن میں غریب الوطنی حضرت یحیٰی علیہ السلام سے، —— اور

● —— فقر جناب محمد ﷺ سے مخصوص ہے۔''

حضرت علیہ الرحمہ نے جن اصول شرعیہ کو دستور حیات بنایا تھا، ان کا تقاضا تھا کہ آپ کی ذات جامع صفات ہو —— حضرت ابومحمد بن حسین حریری علیہ الرحمہ نے بڑی جامعیت کے ساتھ ان اصولوں کو چند لفظوں میں سمو دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

دوام الایمان، قوام الادیان —— وصلاح الابدان فی ثلاثۃ خصالٍ

الاکتفاء والاتقاء والاحتماء —— فمن اکتفی باللّٰہ صلحت سریرتہ،

ومن اتقی مانھی اللّٰہ عنہ استقامت سیرتہ ومن احتماء مالم یوافقہ

ارتاضت طبیعۃ —— فثمرۃ الاکتفاء صفوۃ المعرفۃ وعاقبۃ الاتقاء

حسن الخلیقۃ وغایۃ الاحتماء اعتدال الطبیعۃ [۲]

''ایمان کا دوام، دین کا قیام اور بدن کی اصلاح تین چیزوں پر مبنی ہے:

● —— کفایت کرنا ● —— پرہیز اختیار کرنا ● —— غذا پر نگاہ رکھنا

—— پس:

● —— جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کو کافی سمجھے، اس کی عادت وخصلت اچھی ہو جائے گی،

۱۔ کشف المحجوب: ص ۴۶ ۲۔ کشف المحجوب: ص ۱۸۷

- ——جو شخص منکرات سے پرہیز کرے، اس کی سیرت میں استقامت پیدا ہو جائے گی، اور
- ——جو شخص غذا پر نگار کھے، اس کا نفس ریاضت قبول کرے گا۔

——پس:

- ——اتقا کا ثمرہ معرفت کی صفائی ہے،
- ——پرہیزگاری کا انجام حُسنِ خلق ہے، اور
- ——غذا میں احتیاط کا نتیجہ تندرستی اور اعتدالِ طبیعت ہے۔''

حضرت علیہ الرحمہ کی صفات جمیلہ کے جلوے مکاتیب گرامی میں نظر آتے ہیں۔

؎ بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن — خوبیٔ یار کا جواب کہاں !

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید باصفا نے ''جلاء الخواطر'' کے نام سے آپ کے خاص ملفوظات جمع کیے ہیں۔ یہ ملفوظات پڑھ رہا تھا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ملفوظات میں اللہ کے محبوبوں کے فضائل وخصائل کا ذکر فرمایا ہے۔ پڑھ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فضائل وخصائل کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ایک ایک بولی دل پر اثر کرنے والا، ایک ایک بات من میں گھر کرنے والی۔

چند ملفوظات پیش کرتا ہوں۔ ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک میں نہ پائی جاتی ہو۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو سنائی جائیں اور سُنی چاہئیں۔ ان باتوں سے انسان بنتے اور سنورتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

1. مومن کے لیے ایک مخصوص نور ہے، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (ص ۱۱)
2. سر کی آنکھ دنیا میں مست رہتی ہے، دل کی آنکھ آخرت میں مست رہتی ہے، سِرّ اور روح کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی معیت میں مستی رہتی ہے۔ (ص ۹۴)
3. اپنے نفس کی آنکھ کھول اور اس سے کہہ کہ اپنے عزت وجلال والے پروردگار کو تو دیکھ تجھے کیسے دیکھ رہا ہے؟۔ (ص ۴۷)
4. شرم کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی خلوتوں میں اپنے عزت وجلال والے پروردگار سے شرم

کردنا کہ خالق سے حیاء مخلوق کی حیاء کے تابع ہو جائے۔

5 ہر مرض کی دوا توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔ (ص ۲۷)

6 زہد اور دنیا سے بے رغبتی زاہدوں اور فرمانبردار بندوں کے دل کا چین ہے۔ (ص ۲۲)

7 اے اللہ کے بندو! اپنی عادت و خصلت کے خانوں سے نکلو۔ (ص ۲۷)

8 مرید توبہ کے سایہ میں قائم رہتا ہے مگر مراد اللہ کی عنایت کے سایہ میں قائم ہوتی ہے۔ (ص ۴۰)

ان ملفوظات کی روشنی میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نور عطا فرمایا تھا جس کی روشنی میں وہ دیکھتے تھے، ان کی نظر صرف اور صرف اللہ اور صرف اللہ پر تھی۔ وہ سمجھتے تھے اسی کو دیکھا جائے جو ہم کو دیکھا رہا ہے۔ وہ اللہ کے بندوں کے سامنے شرمائے شرمائے رہتے تھے۔ ان کی یہ حیاء اللہ سے شرم و حیاء کے تابع تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ سارے دکھوں کا علاج توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے —— وہ اپنی عادات کے خانوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے مزین تھے۔ وہ ابتداء میں مرید تھے لیکن پھر مراد ہو گئے اور اللہ کی عنایت کے سایہ میں جینے لگے [1]

مرجعیّت

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی اللہ کے بندوں کے لیے نمونہ تھی۔ وہ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، جب بدایوں، بریلی اور فرنگی محل وغیرہ میں چراغ روشن تھے۔ دہلی میں بھی ان کے اجداد کے دم سے چراغ روشن تھے۔ ان کی زندگی منظم و مربوط تھی جیسے موتی کی لڑی۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ایک ایک گھڑی کا حساب رکھتے تھے، وقت کو بے دریغ خرچ نہیں کرتے تھے کہ یہ بڑی دولت ہے، جس نے وقت کی قدر کی، وقت نے اس کی قدر کی۔ ان کا طریقہ تعلیم و تربیت بھی نرالا تھا۔ نظروں سے تربیت فرمائی۔ اقبال نے اس راز سے یوں پردہ اٹھایا ہے:۔

---

[1] انوار مظہریہ ص ۳۱/۳۲

؎ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

جدید تہذیب وتمدن نے قدیم قدروں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ آدمیوں کو جانوروں سے قریب کر دیا۔ انسان سے دور کر دیا۔

؎ بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا[1]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ متقدمین اہل سنت و جماعت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۶۲۴ء) کے اخلاف کرام اور حضرت مولانا امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۹۲۱ء) کی اولاد امجاد، خلفاء کبار اور تلامذۂ کرام سے خصوصی تعلقات تھے۔

آپ اخلاق محمدی ﷺ کے آئینہ تھے۔ آپ نے اپنے مثالی تقویٰ اور علم و فضل سے وہ مقام پیدا کیا جو معاصرین میں بہت کم علماء کو حاصل ہوا ـــــ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں جاری ہونے والے ماہنامہ ''السواد الاعظم'' مراد آباد میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ صاحب جیسا پاک سیرت شخص سرزمینِ دہلی میں رحمت خدا ہے۔ وہ ایک ولی صفت بزرگ ہیں''۔[2]

اخبار ''دبدبہ سکندری'' رام پور کے مدیر مولانا شاہ محمد فضل حسن صابری لکھتے ہیں :

''ہر مسلمان جسے اکابر کرام کی قدر ہو، اسے ہر صبح وشام بارگاہ الٰہی میں حضرت والا کی ایسی ہستی مقدس کے لیے تضرع وزاری سے دعائیں کرنا لازم ہے۔ ایسی ذات

۱۔ انوار مظہریہ ص ۳۴/۳۵
۲۔ لے: شمارہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء ص ۴۴
ب: محمد عبدالحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابر اہل سنت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۱۳۳

قدسیہ اب زمانہ ہزار کاوشوں سے بھی پیدا نہ کر سکے گا۔۔۔۔۔۔یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے دم قدم کی برکتیں ہم ایسے بدکرداروں کے لیے امن وسلامتی کا پیغام ہیں۔خدا آپ کا اور آپ کے ارباب صدق وصفا کا سایہ مکرمت تا دیر دراز رکھے۔آمین ا[1]

فقیر کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ خانقاہی تعصبات سے بہت بلند تھے،تمام سلاسل کے مشائخ سے مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے،جن کی فہرست بہت طویل ہے۔[2]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ دہلی میں اہل سنت و جماعت کا مرجع تھے۔اس وقت ماضی کے جھروکے سے چند علماء ومشائخ کی حسین صورتیں نظر آرہی ہیں۔ان کے اسماء گرامی پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مرجعیت اور عظمت کا اندازہ ہو جائے اور تاریخ کا یہ حصہ بھی محفوظ ہوجائے۔شائد آگے چل کر کوئی محقق اس پہلو پر کام کر سکے۔

بکثرت علماء ومشائخ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، مثلاً:

- نور المشائخ حضرت ملا شور بازار کابلی
- صدر المشائخ فضل عثمان مجددی
- مولانا محمد ہاشم جان مجددی
- مولانا امجد علی اعظمی
- حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی
- علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی
- برہان ملت برھان الحق جبل پوری
- ابو البرکات سید احمد قادری
- ابو الحسنات مولانا محمد احمد قادری
- صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی
- تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی
- مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم میرٹھی صدیقی
- مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی
- ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری رضوی
- مولانا زین العابدین نقشبندی
- مولانا محمد عارف اللہ میرٹھی
- مولانا محمد علی جوہر
- مولانا شوکت علی
- مولانا معین الدین اجمیری
- آغا عبد اللہ جان مجددی

ا۔شمارہ ۹،جولائی ۱۹۴۲ء،ص ۶

۲۔محمد مسعود احمد،پروفیسر ڈاکٹر: ابتدائیہ ''مجدد ہزارہ دوم ص ۷،مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

- پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری
- مولانا عبدالمجید آروی
- مفتی عبدالحفیظ آروی
- مولانا عبدالسلام نیازی
- مولانا عبدالسلام باندوی
- مولانا عبدالسلام نقشبندی
- مولانا عبدالحامد بدایونی
- مولانا عماد الدین سنبھلی
- مولانا محمد اجمل سنبھلی
- مولانا صبغۃ اللہ فرنگی محلی
- مولانا نذیر الاسلام
- پیر محمد اسحاق جان مجددی
- مولانا محمد ظفر علی نعمانی
- مولانا محمد شفیع اوکاڑوی
- سیف الاسلام مولانا منور حسین
- صوفی اخلاق احمد نقشبندی
- مولانا محمد جماعت علی میرٹھی
- مولانا غلام جیلانی میرٹھی
- مولانا رجب علی نانپاروی
- مولانا حامد جلالی
- مولانا ناصر جلالی
- پیر سید محمد طاہر اشرف جیلانی
- مولانا عبدالحنان سرحدی
- پیر جی عبدالصمد
- خواجہ حسن نظامی
- پیر ضامن نظامی
- شاہ کرار حسین
- مولانا سید طاہر حسن
- مولانا محمد شفیع وارثی
- مولانا قطب الدین
- مولانا ابوالحسن زید فاروقی
- پیر سالم جان مجددی
- مولانا عبدالغفار دہلوی
- مولانا نسیم احمد
- مولانا محمد حسین فیروز آبادی
- محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد لائل پوری، وغیرہ وغیرہ

الغرض برصغیر کے اکثر علماء ومشائخ اہل سنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

ان میں:

- علمائے بدایوں بھی تھے،

● علمائے بریلی بھی تھے،

● علمائے مارہرہ شریف اور کچھوچھہ شریف بھی تھے،

● علمائے فرنگی محلی بھی تھے،

● علمائے میرٹھ اور اجمیر شریف بھی تھے۔[۱]

مفتی اعظم کو معاصرین علماء و صوفیہ اور سیاستدان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ افغانستان کے شیخ طریقت ملّا شور بازار کابلی کے صاحبزادے حضرت صدر المشائخ مولانا فضل عثمان صاحب مجددی علیہ الرحمہ نے جب لاہور میں اپنے دولت کدے پر مفتی اعظم کو مدعو کیا۔ عینی شاہد کا بیان ہے کہ جب مفتی اعظم واپس تشریف لے جانے لگے تو صدر المشائخ نے حضرت کی نعلین مبارک پیش کیں۔

میدانِ سیاست کے شہ سوار مولانا محمد علی جوہر سے کون واقف نہ ہوگا۔ جب وہ جیل سے رہا ہوئے تو مسجد فتحپوری میں حاضر ہوئے اور مفتی اعظم کے پیچھے نماز عصر پڑھی۔ نماز کے بعد نہایت خلوص و محبت اور عقیدت سے مصافحہ کیا ——— چنانچہ علامہ مفتی محمد محمود مدظلہٗ (ابن شاہ رکن الدین الوری قدس سرہٗ) روایت فرماتے ہیں کہ مفتی اعظم نے فرمایا:

''محمد علی کے مصافحہ میں عقیدت و خلوص محسوس کیا۔''[۲]

اس لیے دہلی و بیرونِ دہلی کے دوسرے مسلک کے علما بھی نہایت خلوص و محبت سے حاضر ہوتے تھے۔ وہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مثالی تقویٰ، تبحر علمی اور حق گوئی و بے باکی کے دل سے معترف تھے۔ مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم فرماتے تھے:

''تقویٰ و پرہیزگاری میں حضرت امام صاحب کی نظیر نہیں۔''[۳]

اسی طرح مولوی محمد الیاس مرحوم فرماتے تھے:

۱۔ حرف اول ''باقیات مظہری''، ص ۷، ۸، مرتبہ محمد عبد الستار طاہر، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۲ھ

۲۔ مولانا محمد علی جوہر کے حالات کے لیے انگریزی کتاب ''محمد علی'' مطبوعہ مدراس ۱۹۲۰ء ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ یہ قول اس شخص نے نقل کیا تھا جو مرید ہونے کے لیے مفتی صاحب کے پاس پہنچا تھا اور پھر انہوں نے مدحیہ کلمات کے ساتھ اس کو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کیا تھا ——— مسعود

''اگر مردِ کامل کی صحبت اختیار کرنی ہو تو حضرت امام صاحب کی صحبت میں بیٹھو۔''[۱]

اور مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم (ممبر پارلیمنٹ) اپنی خلوتوں میں فرماتے تھے:

''فقاہت اور فن فتویٰ نویسی میں حضرت مفتی صاحب کا ہندوستان میں ثانی نہیں۔''[۲]

مولوی سلطان محمود مرحوم (صدر المدرسین مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری) فرماتے تھے:

''شریعت کی برہنہ تلوار ہیں، ان کے ہاں کوئی مصلحت اور کسی قسم کی رو رعایت نہیں۔''[۳]

اِن شواہد سے اندازہ ہوگا کہ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور حق گوئی و بے باکی میں حضرت کا کیا مقام تھا ـــــ گلزار دہلوی نے حضرت کی منقبت میں اسی مرجعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

اپنے تو پھر بھی اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی بھی زباں پہ شہرہ تمہارا ہے

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات گرامی ایک قسم کا سنگم تھی۔ جہاں موافق و مخالف سب جمع ہوتے تھے، اور سب ہی فیض پاتے تھے۔ حضرت کا دربار، ایک ایسے طبیب کا مطب نہ تھا جو مریضوں کو دھتکارتا ہے اور صحت مندوں سے پیار کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا مطب تھا جہاں مریضوں کے لیے تریاق و اکسیر تھی اور صحت مندوں کے لیے آبِ حیات! ـــــ جہاں سب آتے تھے، کافر و مشرک تک آتے تھے۔ اور ہزاروں اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر جاتے تھے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا دل و دماغ خانقاہی عصبیتوں سے پاک صاف تھا، ہر سلسلے کے علماء و مشائخ تشریف لاتے۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور سلسلہ وارثیہ وغیرہ علماء اہل سنت میں بدایوں، سنبھل، میرٹھ، مارہرہ شریف، کچھوچھہ شریف، بریلی شریف، مرادآباد اور فرنگی محل وغیرہ کے سنی مراکز کے علماء اہل سنت حضرت مفتی اعظم

۱۔ یہ قول مولوی محمد عبدالمتین خطیب نے نقل فرمایا ہے۔ موصوف نے مولانا محمد الیاس مرحوم کی محفل میں خود ان کی زبان سے سنا تھا ـــــ مسعود

۲۔ یہ قول مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کی مجلس کے ایک حاضر باش نے خود راقم الحروف سے نقل کیا تھا ـــــ مسعود

۳۔ یہ قول مولانا سیف الاسلام، لاہور نے خود مولانا سلطان محمود مرحوم سے سنا تھا جو موصوف نے اپنے مکتوب محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۱ء میں نقل کیا ہے ـــــ مسعود

علیہ الرحمہ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے۔ مسجد فتح پوری، دہلی علماء اہل سنت کا ایک عظیم مرکز تھا اور ہے ــــــ اب حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہٗ آپ کی مسند پر رونق افروز ہیں ــــــ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہمیشہ اپنا دروازہ اللہ کی مخلوق کے لیے کھولے رکھا اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کیا، آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے بندوں کو محروم نہ رکھا۔ تندرستی اور صحت کے زمانے میں ملاقات کے لیے کافی وقت عطا فرماتے مگر ضعیفی اور بیماری کے زمانے میں عصر سے مغرب تک کا وقت ملاقات کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پاک زندگی ہم سب کے لیے نمونہ تھی اور ہے[1]

آپ کی طبیعت میں حیرت انگیز اعتدال و توازن تھا، جو آپ کے معاصرین علمائے اہل سنت میں ماسوائے چند حضرات کے نایاب تھا۔ آپ اپنے مخالف کو دشمن نہیں بلکہ مریض سمجھتے تھے۔ بہت سے امراض روحانیہ کے مریض آپ کی صحبت سے مستفیض ہو کر شفایاب ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک خلیفہ کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا، اس کے مندرجات سے مخالفین کے بارے میں آپ کے طرز عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''پھر میں مکرر سہ مکرر کہتا ہوں کہ تمہیں دینی خدمت کرنی ہے۔ کہیں خاک بنو، کہیں شیر و شکر ــــــ جب تک وہ بدعقیدہ تمہارے پاس نہ آئے گا، تب تک کیسے اسے ہدایت کر سکو گے؟ ــــــ کسی کی بات ناگوار گزرے تو اس کو ٹال دیں۔''

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اسی عارفانہ رواداری اور عالمانہ میانہ روی کی وجہ سے مخالف و موافق سب آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

عشقِ نبوی ﷺ

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی گوناگوں صفات سے متصف تھی، بلکہ مجمع صفات حسنہ تھی ــــــ حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی پر عشق نبوی ﷺ محیط تھا۔ اسی عشق نے اتباع سنت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا، ہر قول و فعل آئینہ دار

ا۔ انوار مظہریہ ص ۳۵

شریعت تھا۔ غرض کوئی ادا ایسی نہ تھی جو ادائے محبوب (ﷺ) کے خلاف ہو۔

اتباع شریعت کی اسی صفتِ جلیلہ کا مختلف شعراء نے ذکر کیا ہے۔ حضرت زیبا ماروی فرماتے ہیں:

شریعت کا جو حامل ہے، طریقت میں جو کامل ہے
رسول اللہ کی سچی محبت جس کی منزل ہے

اور جناب کوثر صدیقی فرماتے ہیں:

گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے
وہ گلستان تھے مظہر اللہ شاہ

عبادات کا یہ حال تھا کہ چودہ سال کی عمر سے (اپنے پیرو مرشد حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ سے بیعت کے بعد سے آخر تک) کبھی نماز تہجد ترک نہیں فرمائی۔ گویا ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء سے ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء تک تقریباً ستر سال پابندی کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمائی ——— جب سُنن کی ادائیگی کا یہ اہتمام تھا تو پھر فرائض کی پابندی کا کیا عالم ہوگا؟

ولا یقظان الا اهل الحق مع الرحمٰن هم فی کل حال
حظوا بالذات و الاوصاف طرًا تعاظم شانهم فی ذی الجلال

اخلاقیات میں حضرت علیہ الرحمہ اخلاق نبوی ﷺ کے مظہر کامل تھے۔ دوست تو دوست دشمن بھی آپ کی عنایات و نوازشات سے محروم نہ تھے۔ آپ عملاً ان کی مدد فرماتے اور ان کی زیادتیوں سے مسلسل درگزر فرماتے:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں مروّت، با دشمناں مدارا!

جناب گلزار دہلوی نے حضرت علیہ الرحمہ کے اسی جذبۂ صلۂ رحمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

اپنے تو پھر اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی زباں پہ بھی شہرہ تمہارا ہے

معاملات کی یہ کیفیت تھی کہ دوست و دشمن سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ فرماتے۔ اپنے و بیگانے کی رعایت نہ فرماتے۔ پیکر صدق و صفا تھے۔ اولاد سے زیادہ مریدین و محبین پر مہربان تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں:

''میرا حال یہ ہے کہ میں دوستوں کو اپنی اولاد ہی کی جگہ سمجھتا ہوں۔ بلکہ خدانخواستہ اگر اولاد میں کوئی نافرمان ہو جائے، جب تو تم میرے نزدیک ایسی اولاد سے بڑھ جاؤ گے۔''[۱]

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں عشق نبوی ﷺ کی جھلک ہر مقام پر نظر آتی ہے۔ آں حضرت ﷺ سے حضرت علیہ الرحمہ کو جو کمال عشق تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

''اولاد کی تربیت میں والدین دورِ جدید کے تقاضوں کے تحت ان کے لیے وہ کچھ سوچتے اور کرتے ہیں جو مادی ترقی میں معین ہو۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی اولاد کے لیے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا بلکہ اگر کسی نے مشورہ بھی دیا تو اس کو رد فرما دیا ——— ہاں چاہا تو یہی چاہا، اور سوچا تو یہی سوچا کہ:

- ——— اولاد میں وہ لیاقت پیدا ہو جائے کہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی صفت و ثنا میں رطب اللسان نظر آئے،
- ——— اس کی زبان ترجمانِ محبت ہو،
- ——— اس کا ایک ایک عمل ترجمانِ سنت ہو،

——— بس یہی دل کی آرزو تھی۔ چنانچہ ''مواعظ مظہری'' اسی بے مثال جذبے کے آئینہ دار ہیں۔ کوئی محفل ایسی نہ تھی جو عشق و محبت کی جھلک سے خالی ہو۔ خصوصاً وہ مجالس جو جمعہ کے

---

[۱] مکتوب بنام ذکر الرحمٰن، کراچی، مرسلہ ۱۸/ مارچ ۱۹۵۷ء

دن مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی گوشے میں حجرہ شریف میں منعقد ہوتی تھیں، اور اس مجلس پاک کی تو عجب شان ہوتی، جو ۱۲ ربیع الاول کی شب کو ہر سال مسجد فتحپوری میں منعقد ہوا کرتی تھی۔ محفل کیا ہوتی سراپا عشق ہوتی۔

کلا ولا تنس الحدیث فجهم

قصص السبابة لم تزل قرانه

۱۲ ربیع الاول کی جس مجلس خاص کا اوپر ذکر کیا گیا، اس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے علماء کرام تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر محبت و شوق سے حضرت علیہ الرحمہ کبھی کبھی فرمایا کرتے:

"دل تو چاہتا تھا کہ گھر ہی میں ایسے لائق افراد پیدا ہو جائیں کہ باہر سے علماء کرام کو بلانے کی ضرورت نہ رہے۔"

چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ کی مشفقانہ تربیت نے گھر میں ایسے افراد پیدا کر دیئے اور حضرت علیہ الرحمہ کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

جمعۃ المبارک کی محافل میں نعت خوانی اور قرأت کے دوران عجب رقت انگیز عالم ہوتا، اور جب حضرت ارشاداتِ گرامی سے نوازتے تھے تو ایک ایک حرف قلب و جگر کے پار ہوتا تھا۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

دہلی میں بانیٔ محفلِ عید میلاد النبی ﷺ

مفتی اعظم اہل سنت و جماعت کے ایک جلیل القدر عالم تھے۔ وہ سلف صالحین کے مسلک مستقیم کے پیرو تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء سے قبل دہلی میں محفل عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز فرمایا۔

● ـــــ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ بھی پابندی سے یہ محفل منعقد فرماتے تھے، اور کھڑے ہو کر سلام بھی پڑھتے تھے۔

● ـــــ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ جن کو انتقال کیے تین سو تریسٹھ (۳۶۳) برس

گزر چکے ہیں۔ وہ بھی محفل میلاد منعقد کرتے تھے، صلوٰۃ وسلام کھڑے ہوکر پیش کرتے تھے۔ یہ بات ''اخبار الاخیار'' میں لکھی ہے۔

● ـــــ مفتی اعظم بھی ان بزرگوں کی طرح بڑے اہتمام سے محفل میلاد منعقد کرتے (عشاء کی نماز کے بعد اذان فجر تک) اور کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے۔ جس میں ہر مسلک کے لوگ شریک ہوتے کہ اس محفل کی روحانیت کا عجب عالم تھا۔ ایسی پاکیزہ محفلیں اب دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ اس محفل میں بڑے بڑے مشائخ وعلماء شریک ہوتے تھے۔ مثلاً:

● شاہ رکن الدین الوری ● خواجہ عبد الصمد چشتی ● مفتی محمد محمود الوری
● مولانا محمد عبد السلام نقشبندی ● مولانا محمد طاہر اشرف جیلانی ● مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی
● مولانا محمد عمر نعیمی ● مولانا عماد الدین سنبھلی ● مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی
● مولانا عبد المجید آروی ● مولانا عبد العلیم صدیقی ● مولانا عبد الحفیظ آروی
● مولانا محمد عارف اللہ میرٹھی ● مولانا غلام جیلانی میرٹھی

اور صاحبزادگان میں:

● مولانا مفتی محمد مظفر احمد ● مفتی محمد مشرف احمد
● مولانا محمد احمد ● مولانا منور احمد

وغیرہم علیہم الرحمہ ـــــ یہ ایک طویل فہرست ہے۔ یہ محفل اب مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد شاہی امام مسجد فتحپوری کی سرپرستی میں ہوتی ہے۔

دہلی میں جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ہوا، جو عید میلاد النبی ﷺ کے مخالفین کو گراں گزرا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف مہم چلائی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مدیر ماہنامہ ''السواد الاعظم''، مرادآباد (شمارہ شعبان ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) لکھتے ہیں:

''حضرت سراپا برکت، جامع کمالات صوریہ ومعنویہ مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا اور عوام کو ان کی طرف سے برہم کرنے کے لیے یہ چھاپ دیا کہ ان کے زیر اہتمام بارہ ربیع الاول کو عید میلاد کا جو جلسہ ہوا کرتا ہے، اس میں بہت تبرا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ باتیں غلط اور

فریب کاری ہیں۔جلسہ عید میلاد النبی میں ہزار ہا باشندگانِ دہلی شریک ہوتے ہیں۔ اس مبارک محفل میں سید عالم ﷺ کے فضائل و کمالات اور آپ کی سیرت مبارک و اوصاف جمیلہ کا بیان ہوتا ہے۔اس کو تبرا کہنا کس قدر سنگدلی ہے۔اس محفل شریف میں تو وہابی وغیرہ کسی کا ذکر ہی نہیں آتا۔'' (ص ۴۴)

اس محفل پاک میں راقم السطور سالہا سال شریک ہوا ہے۔سوائے حمد و نعت کے اس محفل کا کوئی موضوع ہی نہ تھا —— یہ پاک و ہند کا واحد جلسہ عید میلاد النبی تھا جس میں آگے چل کر ہر مسلک فکر کے لوگ شریک ہونے لگے تھے۔کیونکہ مفتی اعظم کے اعتدال و میانہ روی اور ضبط و تحمل نے اس جلسہ کو مخالفین کے لیے بھی گوارا بنا دیا تھا۔کسی کی برائی یا غیبت نہ کی جاتی تھی اور نہ کسی پر طعن و طنز کیا جاتا تھا۔اس کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔کیونکہ یہ برائیاں اسلام میں فی نفسہ مذموم ہیں۔اس جلسہ مبارک کے دیکھنے والے آج بھی پاک و ہند میں موجود ہیں اور یہ جلسہ آج تک جاری ہے۔

مفتی اعظم نے دہلی میں اس وقت جلسہ عید میلاد النبی کی بنیاد رکھی جب یہاں اس کا چرچا نہ تھا۔اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے خواجہ سید محمد حسن زیدی لکھتے ہیں:

''مرشد طریقت حضرت جناب الحاج مفتی اعظم دہلی مولانا مظہر اللہ صاحب مجددی شاہی پیش امام جامع مسجد فتحپوری نے مجلس عید میلاد اس وقت شروع کی جبکہ دہلی میں چاروں طرف تعصب اور غیر مقلدیت کے گھٹاٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے۔اور کوئی صحیح العقیدہ مسلمان بارہ ربیع الاول کو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ ایک دن ہے! —— اور اس کی کیا اہمیت ہے؟ حضرت ممدوح ہی کی وہ ذات قدسی صفات ہے جس نے جشن عید میلاد سیّد لولاکؐ سے اہلِ دہلی کو روشناس کیا اور اہلِ دہلی نے سمجھا اور جانا کہ دراصل ماہ ربیع الاول شریف میں تشریف فرمائے، عالم ناسوت ہونے والے سرکار رحمت بار نے ہی ہمیں اسلامی تعلیمات سے سرفراز کیا اور بارگاہِ حق تک رسائی کا صحیح راستہ بتایا ہے۔

اس وقت دہلی میں مجالس عید میلاد کے سلسلے میں ایک سناٹا تھا اور دہلی کا کوئی

باشندہ عید میلاد کے معنی بھی اپنے ذہن وفکر میں نہ لاتا تھا۔حضرت قبلہ مفتی اعظم دہلی ممدوح کی مساعی جمیلہ کا ہی آج اثر ہے کہ جگہ جگہ عید میلاد النبی کے جلسے ہوتے ہیں اگرچہ ابھی وہ ذوق جگر عی نہیں وگر بھی اس نعمتِ عظمیٰ کی اُلش نوش کرنے لگے۔فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے اسٹیج پر ان محافل مبارکہ کا نام ''میلاد النبی'' پکارا جاتا ہے اور ان کا اسٹیج ان مجالس کو ''سیرۃ النبی'' کہتا ہے۔''[۱]

جیسا کہ عرض کیا گیا جلسہ عید میلاد النبی ۱۹۳۳ء سے بہت پہلے قائم کیا گیا تھا——— ماہنامہ ''السواد الاعظم'' مراد آباد بشمارہ صفر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں اس جلسے کے متعلق لکھا ہے کہ کئی سال سے ہو رہا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جلسہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیان کسی وقت قائم کیا گیا۔اس جلسے کی صدارت مفتی اعظم خود فرماتے تھے۔جیسا کہ ''دبدبہ سکندری'' کی اس رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے اور خود راقم کا بھی یہی مشاہدہ رہا ہے:

''۱۱ ربیع المعظم ۱۳۶۶ھ/مطابق ۳ فروری ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ بعد نماز عشاء مسجد فتحپوری میں زیر اہتمام وزیر صدارت امام اہل سنت حجۃ الاسلام مفتی اعظم حضرت الحاج مولانا مولوی قاری و حافظ شاہ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ العالی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی و بانی اجلاس عید میلاد النبی، دہلی جلسہ پاک عید میلاد النبی منعقد ہوا۔''[۲]

اگرچہ مفتی اعظم صدارت فرماتے تھے مگر طریقہ کار یہ تھا کہ سوائے مقرر و واعظ، سب مہمان علماء اور خود مفتی اعظم زمین پر بیٹھتے تھے۔اسٹیج پر صرف مقرر بیٹھتا تھا۔یہ مجلس اخلاص ومحبت اور ادب واحترام کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی——— نو عمری میں راقم بھی ان محفلوں میں شریک ہوا ہے، اور ان بہاروں کو دیکھا ہے جن کا تصور بھی بہار تازہ سے کم نہیں۔

جلسہ نماز عشاء کے بعد شروع ہوتا، رات بھر رہتا، اذان فجر سے قبل ختم ہو جاتا۔نماز فجر کے بعد تقریباً دس من شیرینی تقسیم ہوتی۔پھر دن بھر پروگرام رہتا۔

۱۔دبدبہ سکندری، ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء ص ۶

۲۔دبدبہ سکندری، ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء ص ۲

جن حضرات نے اس جلسہ عید میلاد النبی ﷺ میں شرکت کی ہے، وہ برسوں گزر جانے کے باوجود ابھی تک اس کو نہ بھلا سکے۔ ان کی نظر میں ابھی تک مفتی اعظم کی نورانی صورت گھوم رہی ہے ـــــ حسن اتفاق مقالۂ ہٰذا کی تیاری کے دوران جامع مدینہ، لاہور کے ایک عالم مولانا مبین احمد کا مکتوب گرامی (محررہ ۲۷ رجون ۱۹۷۸ء) غیر متوقع طور پر موصول ہوا۔ یہ پہلا خط ہے جو اپنی زندگی میں انہوں نے راقم کو لکھا۔ وہ پاکستان آنے کے تیس سال بعد پہلی مرتبہ دہلی حاضر ہوئے ـــــ کیوں؟ ـــــ اس سوال کا جواب انہیں کی زبانی سنیے:

"لیکن مجھے جو چیز کھینچ کر لے گئی تھی وہ حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کی روحانیت تھی۔ چالیس سال پہلے کی بات ہے، میلاد النبی ﷺ کی تقریب میں گیارہویں شب کو میں رات بھر مسجد فتحپوری میں رہا۔ سیرت پاک کے موضوع پر تقاریر ہوتی رہیں۔ لیکن حضرت مولانا مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ عشاء سے صبح صادق تک مجلس میں شریک رہے اور خاموشی سے درود پاک پڑھتے رہے ـــــ

ان کی صورت اور سیرت یاد آتی ہے۔ وہ ایک شریف نفیس اور پاکیزہ مزاج انسان تھے۔ اللہ نے ان کو مرجع خلائق بنایا تھا۔ خاص و عام ان کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ میں نے ان کو اکثر شادیوں میں بھی دیکھا ہے، سکون کیکیفیت ان کے ساتھ رہتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کو نسبتِ سکینہ نصیب فرمائی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے سنا تھا کہ قرب کا دارومدار ہے:

- تقویٰ پر
- اللہ کی یاد پر
- اخلاص پر، اور
- اطاعت پر،

یہ چاروں چیزیں ان کی ذات میں جمع تھیں۔"

آپ نے مولانا مبین احمد کے تاثرات ملاحظہ فرمائے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پاک سیرت، تاثیر صحبت اور وسعت قلبی کے اذکار سنے اور عید میلاد النبی ﷺ کی پُر کیف محفل کا حال پڑھا۔ آیئے تھوڑی دیر کے لیے پھر اسی مجلس عید میلاد النبی کا ذکر کریں۔

اس جلسے کی خصوصیت یہ تھی کہ اور علماء کے علاوہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ ابتداء سے آخر تک ہر

سال تشریف لاتے تھے۔ حالانکہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں ان کی بے حد طلب تھی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ماہنامہ ''السواد الاعظم'' میں لکھا ہے:

''ربیع الاول کی بارہویں شب کئی سال سے دہلی کے حصے میں آگئی ہے اور وہاں حضرت مولانا مولوی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری اور حضرت صوفی عبد الصمد صاحب دو نہایت مقدس ہستیاں ہیں اور حضرت صدر الافاضل مدظلہٗ کو ان حضرات کے ساتھ بہت محبت و مودت ہے، اس لیے باوجود نہایت کشمکش کے وقت یہ دہلی کے لیے مخصوص کردیا جاتا ہے۔''[۱]

ایک اور شمارے میں لکھا ہے:

''حضرت مفتی اعظم کو صدر الافاضل سے بڑی محبت تھی۔ ان کے وصال پر ۲۵ر ذوالحج ۱۳۶۸ھ یوم جمعہ مسجد فتحپوری میں تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔''[۲]

حضرت صدر الافاضل کے علاوہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ بھی کبھی کبھی تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ ''دبدبۂ سکندری'' کے شمارہ ربیع الاول ۱۶ ۱۳۶۶ھ/۱۴ فروری ۱۹۴۷ء کی ایک محفل میں شرکت کا ذکر ہے۔ علماء اسلام میں:

- حضرت مولانا محمد عماد الدین سنبھلی
- مولانا عبد المجید آروی
- مولانا عبد الحفیظ آروی
- علامہ مفتی محمد محمود الوری

اور بہت سے دوسرے علما تشریف لاتے۔ جلسہ عید میلاد النبی مستقل ایک مقالہ کا متقضی ہے۔

جلسے کے علاوہ جلوس عید میلاد النبی کا اجراء بھی مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تائید و حمایت سے دہلی میں ہوا۔ اس کے متعلق خواجہ سید محمد حسن صاحب زیدی نقشبندی ناظم اطلاعات مجلس عید میلاد النبی، صوبۂ دہلی اظہار خیال کرتے ہوئے ''دبدبۂ سکندری'' میں لکھتے ہیں:

''اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ۱۹۳۲ء میں حضرت مولانا ناصر جلالی دامت برکاتہم

۱۔ ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شمارہ ۹ صفر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

۲۔ ماہنامہ دبدبۂ سکندری، رام پور، شمارہ ۸ محرم ۱۳۶۸ھ/۱۱ نومبر ۱۹۴۸ء

کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح بمبئی اور احمد آباد وغیرہ میں عید میلاد النبی کے جلوس پاک نکلتے ہیں۔ اسی شان سے دہلی میں بھی جلوس مقدس کی ابتداء کی جائے۔ چنانچہ اس خیال کو مولانا موصوف نے اعلیٰ حضرات حجۃ الاسلام امام اہل سنت وجماعت مفتی اعظم حضرت مولانا مولوی حافظ الحاج شاہ محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ مجددی نقشبندی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی مدظلہٗ کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس کی سرپرستی فرما کر اس مبارک جلوس میں شرکت فرمائیں حضرت قبلہ نے اس پاک خیال کی تائید فرماتے ہوئے فرمایا:

''جناب کا خیال تو بہت اچھا ہے لیکن عام طور پر جو جلوس نکل رہے ہیں، ان کی نوعیت پر نظر رکھتے ہوئے چونکہ میں ان کو اپنے مسلک کے خلاف پاتا ہوں، اس لیے میں خود تو معافی چاہتا ہوں لیکن آپ کو منع نہیں کر سکتا کہ آپ کا خیال تو خلوص ہی پر مبنی ہے''

اس موقع پر حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا مولوی مفتی الحاج شاہ حکیم حافظ محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مدظلہم مفتی مرادآبادی بھی حضرت قبلہ کے پاس تشریف رکھتے تھے، انہوں نے بھی اس کی تائید فرمائی۔''[۱]

گویا مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مشورے اور صدر الافاضل کی تائید سے اس جلوس کی بنیاد مولانا سید ناصر جلالی مرحوم نے رکھی — بعد میں حکیم سید دلبر حسن اور مفتی اعظم کے بڑے صاحبزادے علامہ مفتی محمد مظفر احمد دہلوی نے بحیثیت صدر مجلس عید میلاد النبی اس کی قیادت کی، جیسا کہ دبدبۂ سکندری کے شماروں ۱۵؍مارچ ۱۹۴۷ء اور ۲۶؍فروری ۱۹۴۷ء سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایک موقع پر جب جلوس کی قیادت میں اختلاف رائے ہوا تو مفتی اعظم سے پھر مولانا ناصر جلالی نے عرض کیا کہ قیادت فرمائیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ جس کو ''دبدبۂ سکندری'' میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

''میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ جلوس تبلیغی شان کا حامل ہو۔ اس میں شرکت کے لیے علماء کو دعوت دی جائے اور وہ وسیع مقامات پر تبلیغی تقاریر فرماتے جائیں اور

۱۔ روزنامہ ''دبدبۂ سکندری'' شمارہ ۱۵؍مارچ ۱۹۴۷ء ص ۶

غیر مسلموں پر اسلام کی حقانیت اور حضور کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلاتے جائیں کہ اسلام نے ان کو کیا حقوق دیئے ہیں، اور حضور نے اپنے مخالفین پر غالب آنے کے بعد ان سے کیا سلوک کیا ہے، اور ہمیں کس سلوک کا سبق دیا ہے ——

بجائے فلاں زندہ باد اور فلاں مردہ باد کے، نہایت وقار کے ساتھ مولائے کریم کی وحدانیت اور اس کے رسول رؤف الرحیم کی رسالت عامہ کا اعلان کرتے جائیں۔ پھر اس جلوس کا اختتام بھی ایک ایسے عظیم الشان جلسے پر ہو، جس میں غیر مسلموں کی کافی تعداد ہو اور جن کی موجودگی میں مشائخ و علماء جلسے کے مناسب تقریریں فرمائیں تاکہ غیر مسلموں کے اذہان میں اسلام کی حقانیت جلوہ گر ہو اور اس طرح سال میں ایک مرتبہ تو صحیح معنی میں اسلام کی خدمت ہو جائے — لیکن افسوس اس طریقہ کار پر عمل نہ ہو سکا[۱]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی اعظم کے دل میں کتنا درد تھا۔

ایک اور شمارے میں ہے:

''جلوس عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حاجی شاہ کرامت اللہ علیہ الرحمہ کی مسجد واقع باڑہ ہندو راؤ (دہلی) سے بعد نماز ظہر ہوتا تھا، عصر تک یہ جلوس جامع مسجد فتحپوری، دہلی میں پہنچتا۔ یہاں نماز عصر سے فارغ ہو کر پھر جامع مسجد شاہجہانی روانہ ہوتا تھا۔ جہاں رات کو درود و سلام پر اس کا اختتام ہوتا۔''[۲]

فنائیت

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ، حیات نبوی ﷺ کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ پر عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفوی غالب تھا۔ جلوتوں میں، خلوتوں میں، محراب و منبر میں، ابتلاء و مصیبت میں ہر جگہ اسی عشق کی جلوہ گری تھی:

۱۔ روزنامہ ''دبدبہ سکندری'' شمارہ ۱۵/ مارچ ۱۹۲۷ء ص ۶

۲۔ روزنامہ ''دبدبہ سکندری'' شمارہ ۱۲/ فروری ۱۹۲۷ء

کبھی تنہائی کوہ و دمنِ عشق　　کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر　　کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ فنا فی الرسول تھے۔فنائیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۴ سال کی عمر شریف سے ۸۵ سال کی عمر تک کبھی نماز تہجد قضا نہ فرمائی —— ستر سال تک پابندی سے نماز تہجد ادا کرنا معمولی بات نہیں۔یہ کمال اسی کو حاصل ہوتا ہے جس کو عطائے خاص سے نوازا جاتا ہے۔

مقام فنا فی الرسول سے مقام فنا فی اللہ تک پہنچے تو پھر یہ عالم تھا کہ جب ۱۹۴۵ء میں حج بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہوئے تو دیار محبوب میں ماسوا اللہ کے نقوش دل سے ایسے محو ہوئے کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔حتی کہ اولاد کے نام بھی صفحۂ دل سے مٹ گئے۔حاضرین محویت اور استغراق کا یہ عالم دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔اللہ اللہ!

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عشق خداوندی کی اعلیٰ منازل پر پہنچ چکے تھے —— قلم سے شراب عشق کے چشمے اُبل رہے ہیں، ایک ایک سطر عشق میں ڈوبی ہوئی، ایک ایک جملہ امین عشق و محبت الٰہی میں، اسی فنائیت کی وجہ سے ان کے تصور سے سوئے ہوئے دل جاگ اُٹھتے تھے —— مشرقی پنجاب، بھارت کے ایک نومسلم فاضل و محقق پروفیسر سردار جوگندر سنگھ مرحوم ایک مکتوب میں راقم الحروف کو لکھتے ہیں:

''اور آپ کا چہرۂ مبارک تصور میں لانے سے فوراً دل یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتا۔''[۱]

سُبحان اللہ! جب تصور کا یہ عالم ہے تو صحبت کا عالم کیا ہوگا!

کمال عشق و محبت یہی ہے کہ محبّ کو دیکھیے تو محبوب سامنے آجائے۔لیکن بعض حضرات کمالِ سیرت پر نظر نہیں رکھتے، کرامات کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔کرامات حاصل زندگی نہیں، زندگی خود حاصل زندگی ہے:

فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

۱۔ مکتوب محررہ ۱۶ / مئی ۱۹۶۹ء از پٹیالہ

صرف زندگی پر نظر رکھے اور آئینہ اسوۂ مصطفیٰ ﷺ سامنے رکھ کر اس کو سنوارتے جایئے ـــــــ بنی سنوری صورتیں مل جائیں، غنیمت جانیئے اور توفیق الٰہی شاملِ حال رہے تو انہیں کے ہو کر رہیئے کہ صحبتِ گُل اثر سے خالی نہیں۔

لِلّٰہیت

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا سارا وقت خدا اور بندگانِ خدا کے لیے صرف ہوتا تھا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جو اپنے نفس کے لیے صرف کیا جاتا۔ انسانیت و شرافت کی یہ وہ منزل ہے جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے انسان کو پہنچایا تھا۔ جب تک انسانی کوشش کا محور اس کی اپنی ذات ہے، وہ حیوانی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کہ حیوان بھی اپنی معیشت کے لیے سامان مہیا کر لیتے ہیں۔ اس لیے اگر انسان ایسا کر لیتا ہے تو کون سا کمال کرتا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں کہ انسان قدرت و طاقت رکھتے ہوئے اپنے عیش و تنعم سے بے نیاز ہو کر دوسروں کے لیے اپنی زندگی صرف کر دے۔ یہ بڑی اولو العزمی اور ہمت کی بات ہے۔

مبارک ہیں وہ جنہوں نے ساری زندگی خدا اور بندگانِ خدا کی خدمت کی۔ اور اس روشن راہ پر چلے جس پر تاجدارِ دو عالم ﷺ چلے۔ ہاں انہیں نفوسِ قدسیہ کے لیے فرمایا:

صراط الذین انعمت علیھم

اس سے بڑھ کر محبوب کا کیا انعام ہوگا کہ خود سے بے نیاز کر کے اپنا نیاز مند بنا لیا اور سب کی خدمت کے لیے محبّ کو وقف کر دیا۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دنیا میں بے نیازانہ زندگی گزاری۔ اس کریم کے خیال میں ایسے گم کہ این و آں سے بے خبر۔

از خیال خویشتن بے خویش شو بیگانہ باش
در خیال حضرت جاناں نہ شو، جانا نہ باش

جب تزکیہ نفس ہو جائے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے، ہوشیار ہو جاتا ہے۔ سونے والوں کو جو باتیں اچھی لگتی ہیں، جاگنے والوں کو وہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ دہلی میں تھے ان کا شہرہ عرب و عجم میں تھا۔ ان کے تزکیہ نفس کی باتیں صوبہ سرحد (پاکستان) کے شعراء بھی اپنے کلام میں باندھنے لگے، نور سرحدی کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

مظہر اللہ ، مظہر نور خدا
نسبت صدیق کا تھا وہ امین و مقتدا
تزکیہ کا تھا شغل ان کا اور فقہ دین بھی
ھند کا مفتی تھا وہ اور اصفیا کا رہنما
تزکیہ پر چھا گئی ان کے جانے سے خزاں
لوٹ کر آئی نہ فقہ پر بہار جاں فزا

(مکتوب قاضی عبدالحمید فضلی محررہ ۲۴ر جون ۱۹۸۳ء، از شیر گڑھ)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ظاہر وباطن ایک تھا، جس کا بخوبی اندازہ آپ کے نجی خطوط سے ہوتا ہے (جس کی ایک ضخیم جلد ۱۹۹۹ء میں کراچی سے شائع ہو چکی ہے)۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا سکون پاتا ہے، اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے:

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ [1]

دیگر اوصافِ حمیدہ

حضرت علیہ الرحمہ کی ایک ایک ادا ایسی ہے کہ اس پر سیر حاصل لکھا جائے۔ بعض خوبیوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب شریف سے بعض دیگر خوبیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اتباع شریعت کا حضرت علیہ الرحمہ کو بڑا پاس ولحاظ تھا۔ اپنے مریدین و معتقدین پر اسی نظر سے نگران رہتے اور جب کوئی بات خلاف شریعت پاتے، فوراً

۱۔ انوار مظہریہ ص ۳۲/۳۴

نصیحت فرماتے۔ چنانچہ اپنے ایک محب با اخلاص کو ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

”فرائض خداوندی کی ادائیگی میں کبھی غفلت نہ کرنا، اور جہاں تک ہو سکے والد کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔“[۱]

جب تک تسلیم و رضا کا جذبہ پیدا نہ ہو اتباع شریعت کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مختلف مکتوبات میں بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے —— چنانچہ ایک معتقد خاص جناب اختر حسین صاحب، کراچی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جب تک خالص اس کی جانب توجہ نہ کریں گے، اور اس کے ہر فعل پر راضی نہ ہوں گے، اطمینانِ قلب میسر نہیں آ سکتا۔ مولیٰ تعالیٰ کا ذکر ہی اطمینان قلب کا باعث ہے۔“[۲]

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں اپنے ایک عزیز شاگرد حافظ عبدالسمیع مرحوم کو تحریر فرماتے ہیں:

”عزیزا! اس کی رضا کا حصول بڑی دولت ہے۔ یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کو وہ اپنا کر لیتے ہیں۔“[۳]

حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں صبر و تحمل کا جوہر نمایاں نظر آتا ہے۔ جو راضی برضاء الٰہی رہنے کا نتیجہ ہے۔ جس سے انسان کی حقیقی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آزمائشوں کے وقت ہمت و ثابت قدمی بڑی چیز ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے نہایت نازک موقعوں پر دامن صبر و استقلال ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے نظر آتے ہیں، دورِ جدید میں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کے ایک ہونہار، عالم اور جواں سال صاحبزادے تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ یہاں سخت علیل ہو گئے اور عالم فراق میں ۱۹۴۹ء میں حضرت علیہ الرحمہ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

۱۔ مکتوب بنام بشیر احمد، لاہور، مرسلہ ۲۱/فروری ۱۹۴۹ء
۲۔ مکتوب بنام اختر حسین، کراچی موصولہ ۱۹/اگست ۱۹۶۹ء
۳۔ مکتوب بنام حافظ عبدالسمیع مرسلہ ۲۹/جولائی ۱۹۵۷ء

اِستغناء و بے نیازی

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ فکرِ عقبیٰ سے غافل ہیں۔ دنیا کی فکر میں عقبیٰ تو بڑی چیز ہے، خود اپنی بھی خبر نہ رہی۔ لیکن حضرت کی حیاتِ طیبہ میں یہ غیر محمود محویت نظر نہیں آتی۔ قدم قدم پر اپنے اور بیگانے کو آخرت کی یاد دلا دلا کر اصلاحِ حال فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرید حاجی ضیاء الدین احمد صاحب (کراچی) کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''میرے عزیز! دنیا کے چند روز آخرت کی تجارت کے لیے دیئے گئے ہیں۔ اس میں ہمہ تن اپنی عمر صرف کرنا چاہیے، اور جو فعل بھی کیا جائے اس میں اس تعالیٰ کی خوشنودی مدِنظر رہے، تا کہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے وہاں کام آئے۔''[۱]

بعض مشائخ و علماء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے محبین و مریدین سے ''خدمت'' کے طلبگار رہتے ہیں اور بسا اوقات ان کی محبت کا دارومدار بھی اسی ''خدمت'' پر ہوتا ہے۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت بے نیازانہ تھی۔ آپ کی فقر پسندی نے کبھی گوارا نہ کیا کہ مریدین و معتقدین سے کسی قسم کی خود خدمت لی جائے۔ اسی لئے ان کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اس بے نیازی کا اظہار اکثر مکاتیب میں فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مرید با اخلاص حافظ محمد صالحین صاحب (کراچی) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''تم جانتے ہو، مجھے اپنے احباب سے فوائد دنیوی مطلوب نہیں، صرف اتنی خواہش رکھتا ہوں کہ ان کے فائدے کے لیے جو کچھ عرض کروں اس کو سنیں اور اکثر اوقات مولیٰ کی یاد میں گزاریں۔''[۲]

اسی طرح ایک دوسرے مرید و سفیر سید نواب علی صاحب، حیدر آباد کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں، میری خدمت یہی ہے کہ تم اپنے مولیٰ کی عبادت میں رہ کر اپنی خدمت کرتے رہو۔''[۳]

۱۔ مکتوب بنام حاجی ضیاء الدین احمد، کراچی، مرسلہ اکتوبر ۱۹۶۳ء

۲۔ مکتوب بنام حافظ محمد صالحین، کراچی مرسلہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

۳۔ مکتوب بنام سید نواب علی، حیدر آباد مرسلہ ۱۹۵۸ء

عجز وانکساری

مشیخت اور فقاہت وعلمیت کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت میں نخوت وغرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ جو معتقدین ومُحبیں حضرت علیہ الرحمہ کی مجالس سے مستفیض ہوئے ہیں ان کو اس خوبی کا بخوبی علم ہے۔ مکاتیب شریف میں بھی عجز وانکساری کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک محبّ با اخلاص اسلام الدین صاحب (لاہور) نے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

''میرے عزیز! انسان اس کے حاصل کرنے کی تمنا اور کوشش کرتا ہے جو اسے فائدہ پہنچائے، مجھ نا اہل کی ملاقات سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔''[1]

اسی طرح اپنے فرزند نسبتی جناب حافظ قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب، بہاولپور کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''تمہارے صدقے میں اس ناکارہ کو مستحق جنت کرے۔''[2]

ایک اور مرید غلام قادر خاں صاحب، راولپنڈی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''سب کچھ بزرگوں کا صدقہ ہے، ورنہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی مجھے اپنے سے یقیناً بہتر نظر آتا ہے۔ اس میں کچھ تصنع کو دخل نہیں۔''[3]

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشائخ کرام کی خدمت میں جو مریدین حاضر باش رہتے ہیں، ان سے مطلق نہیں پوچھتے کہ تم پر کیا شرعی ذمہ داریاں ہیں اور وہ پوری کی جارہی ہیں یا نہیں — حاضر باشی ہی مریدین کی سعادت کی دلیل ہے۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ اس پر سختی سے نگاہ رکھتے تھے کہ جو مرید حاضر ہیں یا حاضر ہونا چاہتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حاضری میں کسی شرعی ذمہ داری سے اغماض نظر کر بیٹھے ہیں —— چنانچہ جب حضرت علیہ الرحمہ کے ایک مرید جناب

۱۔ مکتوب بنام اسلام الدین، لاہور، مرسلہ ۱۳/ دسمبر ۱۹۶۱ء

۲۔ مکتوب بنام قاری سید حفیظ الرحمٰن، بہاولپور، موصولہ ۱۰/ اکتوبر ۱۹۶۳ء

۳۔ مکتوب مرسلہ ۱۰/ ستمبر ۱۹۴۸ء

ذکر الرحمٰن صاحب، کراچی نے دہلی حاضری کی اجازت چاہی تو ان کو تحریر فرمایا:

''تم نے واپسی کی اجازت طلب کی ہے۔ اگر تمہاری بیوی کی یہی خواہش ہے تو تم واپس آسکتے ہو۔ ورنہ ان کے حقوق تم کیسے ادا کرسکو گے جو تمہارے ذمہ ہیں۔

ہاں اگر وہاں روزگار کی کوئی صورت نہیں جس کی وجہ سے تمہاری بیوی تمہیں خوشی سے اجازت دے تو بے شک واپس آجاؤ۔ اس تمہاری کیفیت کا مجھے اندازہ ہے، لیکن میں حکم شرع سے مجبور تھا اور اب بھی اس کے خلاف تمہیں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔''[۱]

شیخ کی خدمت میں حاضری کے وقت بیوی سے اجازت طلبی شاید بعض حضرات کے لیے عجائبات سے ہو مگر اتباع شریعت میں حضرت علیہ الرحمہ کا یہی اہتمام تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے بار بار مریدین و محبین کو اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ ایک معتقد خاص اور سفیر با اخلاص محمد احمد قریشی صاحب، لاہور کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اہلیہ کے ساتھ جہاں تک ہو سکے، محبت اور یگانگت کو ملحوظ رکھیں کہ یہ بھی ترقی کا باعث ہے۔''[۲]

صلہ رحمی

حضرت علیہ الرحمہ نے صلہ رحمی پر خاص زور دیا ہے۔ خود اس پر اس شان سے عمل کیا کہ دشمنوں نے بھی سراہا اور دوستوں کو بھی تلقین کی۔ ورنہ آج کل تو آپس میں تنازعات و مناقشات سے دنیا کا حال کچھ ایسا ہو گیا ہے جیسے کوئی میدانِ جنگ ہو۔ عالم و عامی صلۂ رحمی کے جوہر سے محروم نظر آتا ہے۔ یہ وہی جذبۂ محمود ہے کہ اگر مفقود ہو جائے تو گھر گھر دوزخ نظر آتی ہے۔ مگر اس سلسلے میں حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیمات جنت نشاں ہیں۔

چنانچہ ایک مکتوب میں ایک مرید جناب ذکر الرحمٰن صاحب، کراچی کو اس طرح تلقین

۱۔ مکتوب بنام ذکر الرحمٰن، کراچی موصولہ ۲۸/ مارچ ۱۹۵۶ء

۲۔ مکتوب بنام محمد احمد قریشی، لاہور، مرسلہ ۲۶/ فروری ۱۹۶۳ء

فرماتے ہیں:

''آپ موافق مخالف ہر ایک سے کشادہ پیشانی سے ملیں، کسی کو ایسی بات نہ کہیں جس سے اس کو رنج پہنچے۔''[1]

سامنے کسی کو بات کہنا تو بڑی بات ہے، پس غیبت بھی مخالف پر طعن وتشنیع سے منع فرمایا ـــــــ چنانچہ جب مرید موصوف نے تقریر کی اجازت چاہی تو جواباً تحریر فرمایا:

''تقریر کی اجازت مبارک ہو، لیکن میرے طریق پر تقریر کریں، کسی پر طعن ہرگز نہ ہو۔''

صلہ رحمی پر استقامت اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب انسان میں عفو درگزر کی صلاحیت ہو۔ بات بات پر گرفت کرنے والا انسان خواہ عالم ہو یا عامی، صلہ رحمی کی حقیقت سے ناواقف ہے ـــــــ آں حضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صلہ رحمی کا باب بڑا روشن ہے۔ اسی روشنی سے سب روشنی پاتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کی حیاتِ طیبہ میں بھی اسی روشنی کی ایک جھلک نظر آتی ہے ـــــــ مکاتیب شریف کے مطالعہ سے بھی اس صفت خاص پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں جناب محمد احمد صاحب قریشی، لاہور کو تحریر فرماتے ہیں:

''تمہارے نامعلوم قصور معاف کیے، بلکہ ایک زائد معافی اور ارسال ہے جو آئندہ کے لیے کام آئے گی۔''[2]

ایک عزیز سے انتقال سے کچھ عرصہ قبل سخت ناراض ہوگئے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اگر اس نے توبہ واستغفار کی تو امید ہے کہ اس کا قصور معاف کردیا جائے گا۔

کراچی میں حضرت علیہ الرحمہ کے ایک محب خاص جناب حافظ محمد صالحین صاحب سے کچھ قصور ہوگیا۔ جس سے حضرت علیہ الرحمہ کو صدمہ ہوا۔ اس کیفیت نے حافظ صاحب کو بہت بے چین کردیا۔ انہوں نے طلب معافی کے لیے عریضہ ارسال کیا۔ حضرت نے فوراً معاف فرمادیا مگر ان کو تسکین نہ ہوئی۔ انہوں نے پھر لکھا، جواباً حضرت نے تحریر فرمایا:

۱۔ مکتوب مرسلہ ۲۸ فروری ۱۹۶۱ء

۲۔ مکتوب مرسلہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۵۱ء

”میں تمہیں واضح الفاظ میں اس کا یقین دلا چکا ہوں کہ اپنے قلب پر تمہاری طرف سے اصلاً تکدر نہیں پاتا، بلکہ بہ نسبت پہلے کے، نہایت درجہ محبت محسوس کرتا ہوں، بالکل مطمئن رہیں۔“[1]

میانہ روی

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مفتی اعظم کے مزاج میں حد درجہ اعتدال و توازن اور ضبط و تحمل تھا۔ آپ کی حیات مبارکہ اس شعر کی تفسیر تھی:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

با دوستاں مروّت، با دشمناں مدارا

یہاں صرف دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں —— مسلک اہل سنت و جماعت کے ایک مشہور عالم اپنی شدت پسندی کی وجہ سے حضرت مفتی اعظم سے اختلاف رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ جیسا خود حضرت مفتی اعظم نے راقم سے فرمایا:

”فقیر کو وہابی کہتے ہیں۔“

یہ بزرگ (علیہ الرحمہ) جب فوت ہوئے تو حضرت مفتی اعظم نے تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا۔ جس کے کلمات قابلِ مطالعہ ہیں:

”حضرت مولانا۔۔۔۔ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سانحۂ فاجعہ کا جو قلب حزیں پر اثر ہے، اس کا تحریر میں آنا دشوار ہے۔ امید ہے اس میں مجھے معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گے۔ اس کے متعلق صرف اتنا ہی لکھنے پایا تھا کہ قلب کی حرکت بڑھ گئی —— اہل سنت سے جب بھی کوئی رکن اٹھتا ہے، قلب کی حالت سنبھالے نہیں سنبھلتی۔“

ہم تو ہیں دل فگار، غم میں ہے ہستی ناگوار

چھیڑ کے گل نو بہار، خون ہمیں رلائے کیوں؟ [2]

یہ اس عالم کی وفات حسرت آیات پر قلبی اثرات تھے جو خود کو بیگانہ رکھتے ہوئے بھی

۱۔ مکتوب مرسلہ ۱۶؍ جنوری ۱۹۵۱ء

۲۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، شمارہ اگست و ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۳۷

حضرت مفتی اعظم کے لیے یگانہ نہ تھے۔حضرت مفتی اعظم کی یہ بے لوث محبت اہل سنت و جماعت کے ان علماء کے لیے نصیحت وعبرت ہے، جو معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ہمدردی ومحبت کے سارے جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، اور خیر خواہ بدخواہ بن جاتے ہیں۔

اب سید سلیمان ندوی کے متعلق ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں —— مولانا امداد صابری (جو مولوی اشرف علی تھانوی کے بھائی مولوی شریف الحق کے صاحبزادہ ہیں) —— نے ایک کتاب بعنوان: ''سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں''

لکھی۔اس پر حضرت مفتی اعظم سے تقریظ لکھوائی۔جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''سید سلیمان ندوی سے جو ان کی بعض تصانیف میں بعض آیات کے مطالب بیان کرنے میں غلطیاں واقع ہوگئی ہیں، وہ بلاشبہ قابل گرفت ہیں —— مفسرین کی پیروی چھوڑ کر آیات مبارکہ کی تفسیر بالرائے کا لازمی نتیجہ تھا۔اس سے سید صاحب کا دامن یقیناً پاک نہ رہ سکا۔بہت ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ان کو ان لغزشات پر متنبہ کرتا تا کہ وہ نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح فرماتے۔اللہ کا شکر ہے کہ اعزی مخلصی مولانا امداد صابری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نہایت شائستگی اور سنجیدگی کے ساتھ ان اغلاط پر کافی روشنی ڈالی اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہوگئے۔مولیٰ تعالیٰ ان کو اس کی بہتر جزا عنایت فرمائے اور سید صاحب کو توفیق دے کہ وہ مولانا موصوف کی تحریر کو شکر کے ساتھ قبول فرما کر ان غلطیوں کی اصلاح فرمالیں اور آئندہ اس روش کے اختیار کرنے سے اجتناب فرمائیں۔فقط۔''[۱]

حضرت مفتی اعظم کی اسی میانہ روی سے موافق ومخالف سب آپ کے گرویدہ تھے۔اور یہ بات آپ کے معاصرین میں کسی عالم اہل سنت کو حاصل نہ تھی۔ابتداء میں بعض حضرات کو اس روش کی اہمیت کا اندازہ نہ تھا، لیکن اب احساس ہوتا جارہا ہے کہ موعظت وحکمت، تبلیغ وارشاد کا جزو اعظم ہے۔

۱۔امداد صابری: علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں، مطبوعہ بمبئی ۱۹۶۲ء، ص ۶، ۷

علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت علیہ الرحمہ کے اخلاق کریمانہ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میانہ روی کی روش کو اپنایا جس کی بنا پر آپ کو ''صلح'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور یگانگت کی راہ روشن ہوئی۔''[۱]

بعض مشائخ دوسرے سلاسل کے مشائخ سے کچھ نہ کچھ اختلاف رکھتے ہیں اور تحریر و تقریر میں اشارۃً یا صراحۃً اس کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی جلوت و خلوت اور تحریر و تقریر میں اس قسم کی کوئی بات نہیں دیکھی گئی اور نہ سُنی گئی۔ آپ کی محفلوں میں اس حقیقت کا شدید احساس ہوتا تھا کہ بیعت دراصل محبت ہے۔ جب حریم محبت میں داخل ہو گئے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اہلِ محبت سے کسی قسم کا بیر رکھا۔ جس طرح حضرت کی محفل میں ہر مسلک کے علماء آتے تھے، اسی طرح ہر سلسلۂ طریقت کے مشائخ بھی آتے تھے، اور ان سے ایسے مخلصانہ تعلقات تھے کہ غیریت کا گمان تک نہ تھا۔ عینیت ہی عینیت نظر آتی۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک مسلک کے علماء کی محفل میں دوسرے مسلک کے علماء کی غیبتیں ہوتی ہیں اور طعن و طنز کیا جاتا ہے۔ حضرت کی مجالس ان خرافات سے پاک تھیں۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کسی عالم یا کسی بھی شخص کی غیبت کر سکے۔

آپ کی طبیعت میں حیرت انگیز اعتدال اور توازن تھا جو آپ کے معاصرین علمائے اہلِ سنت میں ماسوائے چند حضرات کے نایاب تھا۔ آپ اپنے مخالف کو دشمن نہیں بلکہ مریض سمجھتے تھے۔ بہت سے امراض روحانیہ کے مریض آپ کی صحبت سے مستفیض ہو کر شفایاب ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک خلیفہ کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا، اس کے مندرجات سے مخالفین کے بارے میں آپ کے طرزِ عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''پھر میں مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ تمہیں دینی خدمت کرنی ہے، کہیں خاک بنو، کہیں شیر و شکر ـــــ جب تک وہ بدعقیدہ تمہارے پاس نہ آئے گا، تب تک کیسے اسے ہدایت کر سکو گے؟ ـــــ کسی کی بات ناگوار گزرے تو اس کو ٹال دیں۔''

۱۔ ماہنامہ عقیدت، نئی دہلی، ص ۳۹، شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۱ء

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اسی عارفانہ رواداری اور عالمانہ میانہ روی کی وجہ سے مخالف وموافق سب آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مسلک حضرت مفتیٔ اعظم

حضرت علیہ الرحمہ مسلکاً حنفی تھے۔ اور متقدمین میں اہل سنت و جماعت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ مزاج میں صدردرجہ اعتدال وتوازن اور ضبط وتحمل تھا۔ اس لیے موافق ومخالف سب آپ کی مجلس میں آتے تھے۔ حتیٰ کہ کفار ومشرکین بھی آتے اور دولتِ اسلام سے مشرف ہوکر جاتے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کے اخلاف کرام اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے خلفاء وتلامذہ اور اولاد امجاد سے خصوصی تعلقات تھے۔

جس طرف حق دیکھتے اس کی تائید فرماتے۔ آپ کی تائیدات جماعتی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''کوئی فقیر سے اس لیے ناراض ہے کہ اس کے خیال میں فقیر بریلوی ہے، اور کوئی اس لیے کہ فقیر دیوبندی ہے —— حالانکہ فقیر نہ بریلوی ہے نہ دیوبندی —— میرا مسلک تو وہی ہے جو متقدمین کا ہے۔''

چنانچہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب[1] سے ایک مسئلے میں اختلاف ہوا۔ مفتی صاحب کا

---

[1] مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم شاہجہان پور (یو۔پی) کے رہنے والے تھے، مگر دلی آکر بس گئے تھے۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ دلی ہی میں گزارا۔ متبحر عالم تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ دلی میں ایک عرصہ مدرسہ امینیہ سے متعلق رہے۔ ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ اس مدرسے سے وابستہ ہوئے اور آخر دم تک اس کی خدمت کرتے رہے۔ مفتی صاحب طبعاً بہت سادہ، متواضع اور قناعت پسند تھے۔ اہل دہلی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق مسلک دیوبند سے تھا، اس لیے دلی کے بعض عوام وخواص ان سے اختلاف رکھتے تھے —— لیکن بعض مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مفتی صاحب آخر میں اس مسلک سے ذرا ہٹ گئے تھے۔ متقدمین کے مسلک کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔ چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کی درگاہ شریف کی چوکھٹ پر تدفین کی وصیت کرنا اور وہیں دفن ہونا اس اطلاع کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ مفتی صاحب کا دلی میں انتقال ہوا۔

اس مسئلے میں وہ مسلک تھا جو مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ[1] کا تھا۔ اسی لیے مفتی صاحب نے فرمایا:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اس مسئلے میں یوں ہی فرماتے ہیں''—— تو میں نے عرض کیا کہ میں مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا مقلد تو ہوں نہیں، ہاں، ان کو اہل سنت کا متبحر عالم ضرور خیال کرتا ہوں۔ لیکن اس کی وجہ سے ان کا قول مجھ پر حجت نہیں ہوسکتا۔''

اس واضح طرز عمل کے باوجود تعصب و تنگدلی نے بعض لوگوں کو آپ کا گستاخ بنادیا تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی ہیبت وجلال کا یہ عالم تھا کہ سامنے کسی کو مخالفت کی ہمت تو کجا نظر اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ تھا، لیکن پس غیبت بعض اشرار گم نام خطوط بھیجا کرتے تھے، اور حضرت علیہ الرحمہ فقیہانہ تحمل و بردباری اور مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے اس قسم کی تکلیف دہ باتوں کو خیال میں نہ لاتے اور وسعت قلبی کے ساتھ درگزر فرمادیا کرتے تھے —— ایک مرتبہ اسی قسم کا ایک خط حضرت علیہ الرحمہ کے صاحبزادے کی نظر سے گزرا تو انہوں نے نہایت برہمی کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت علیہ الرحمہ نے جو کچھ فرمایا تھا، مخالفین کے لیے وہ عبرت ہے اور مقلدین کے لیے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا:

۱۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب ۱۰/شوال المکرم ۱۲۷۲ھ کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۸۶ھ میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوئے اور اسی دن فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا۔ ۱۲۹۴ھ میں شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے، اور وہاں مختلف علماء سے حدیث، فقہ، اصول تفسیر اور دوسرے علوم میں سندات حاصل کیں۔ علمائے حرم نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ کو بریلی میں وصال ہوا —— پاک و ہند میں آپ کے بے شمار مریدین و معتقدین اور تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں، جن کا احاطہ دشوار ہے۔ صاحبزادگان میں حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلی میں رونق بخش مسند ارشاد ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ مولانا رحمان علی نے ۱۳۰۵ھ میں ''تذکرہ علمائے ہند'' لکھا ہے: ''یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی جوانی کا زمانہ تھا، مگر اس وقت بھی تذکرہ مذکور میں ان کی ۷۵ تصانیف کا تفصیلی ذکر موجود ہے (تذکرہ علمائے ہند مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء ص ۹۸، ۹۹) لیکن وفات کے بعد تصانیف کا جو جائزہ لیا گیا ہے تو تعداد ہزار سے متجاوز نظر آتی ہے۔ جو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل ہیں —— علمائے اسلام میں ابن تیمیہ کی پانچ سو تصانیف کا ذکر ملتا ہے مگر ہندوستان کا یہ جلیل القدر عالم اس خصوص میں ان پر بھی سبقت لے گیا —— مسعود

"تم اسی پر برہم ہو گئے، ہمارے پاس تو بیسیوں ایسے خط آئے جن کو تم دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ہم تو اپنی عزت و آبرو سب حضور ﷺ پر تصدق کر چکے۔ تو اب ہمیں ایسی چیزوں کا کیا احساس ہو سکتا ہے ——— ہاں! اس کا ضرور افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بلاوجہ کیوں گنہ گار ہو رہے ہیں۔"

اغیار کے لیے دردمندی کمالِ اخلاص کی آئینہ دار ہے ——— یہ سب تحریر اس لیے تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ بعض ایسے امور جو مباح و مستحب تھے، مثلاً اعراس اور مجالس عید میلاد النبی ﷺ، غیروں کی نظر میں کھٹکتے تھے۔ حالانکہ بدعت مباحہ کے سلسلے میں تو حضرت علیہ الرحمہ نے ایک فتوے میں پوری طرح وضاحت فرمادی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"لیکن یہ یاد رہے کہ جن افعال کو بدعتِ مباحہ کہا جاتا ہے، اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ یہ گناہ نہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مقابلے میں اس میں کوئی خوبی نہیں۔ مسلمان کے کرنے کے لیے بہت سے افعال ہیں جو مسنون ہیں، جن کو اس نے چھوڑ رکھا ہے۔ تو اس کے لیے لازم ہے کہ بجائے اس کے ان پر عمل کرے تاکہ فلاح دارین نصیب ہو۔ پھر یہ افعال گو بذاتہ مباح ہیں لیکن عوارض کی وجہ سے یہ قابل منع بھی ہو سکتے ہیں۔"[۱]

سجدۂ تعظیمی کو علماء حق نے ہمیشہ حرام قرار دیا بلکہ بعض نے ایسے شخص کو کافر تک لکھا ہے۔ مفتی اعظم سجدۂ تعظیمی کو حرام سمجھتے تھے مگر افسوس اس واضح حقیقت کے باوجود بعض حضرات علماء اہل سنت کو قبر پرست کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے، جو نہایت ہی افسوس ناک ہے۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) میں ایک رسالہ بعنوان:

"مرشد کو سجدۂ تعظیم"

دہلی سے شائع کیا۔ اس رسالے میں سجدۂ تعظیمی کی حلت پر بحث کی گئی تھی۔ مولانا زاہد القادری مرحوم نے رسالے کے رد میں علماء سے فتویٰ لیا اور ان سب کو ایک رسالہ کی صورت میں بعنوان:

۱۔ محمد مظہر اللہ، مفتی: فتاویٰ مظہری، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء، ص ۳۹۰، ۲۸۰

"الفوز العظیم فی ردّ سجدۃ التعظیم"

شائع کیا۔ مؤخر الذکر رسالے میں مفتی اعظم نے سجدہ تعظیمی کی حرمت کے بارے میں بایں الفاظ اظہار خیال فرمایا ہے:

"سجدۂ تعظیمی سے مراد اگر سجدۂ عبادت ہے تو وہ کفر ہے۔ اور اگر سجدۂ تحیت مراد ہے تو وہ اگر چہ اکثر کے نزدیک کفر نہیں ہے، لیکن حرام ہونے میں اس کے شبہ نہیں۔"[1]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سجدۂ تحیت کی حرمت کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے، اور اس میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ رسالہ مندرجہ بالا رسالہ سے دو تین سال قبل لکھا گیا ہے۔ اس کے سائل نے سجدۂ تحیت کی حلت کے سلسلے میں "نظام المشائخ" نئی دہلی کے مندرجات کی روشنی میں سوالات کیے ہیں۔ رسالہ کا عنوان ہے:

"الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجدۃ التحیہ"

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء

یہ رسالہ دو سوالات محررہ ۹؍رمضان ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء محررہ ۲۹؍شوال ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ سوال میں رسالہ "نظام المشائخ" کا حوالہ دیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے اس مسئلہ کو اٹھایا تھا۔ اور انہیں مباحث کو رسالے کی صورت میں شائع کیا، جس کا ذکر مدیر "الہام" نے کیا ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ شاتم اور گستاخ رسول کو کافر سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مخالفین نے اپنے عوام کو آپ کے خلاف بدظن کرنا چاہا۔ اس پر مدیر ماہنامہ "السواد الاعظم" مرادآباد نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا:

"حضرت مفتی اعظم مولانا مظہر اللہ صاحب کا (مخالفین نے) ایک فتویٰ بھی شائع کیا ہے۔ جس میں انہوں نے رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کو کافر فرمایا ہے ——— اس فتویٰ کا پیش کرنا اور اس سے اشتعال پیدا کرنا انتہا درجہ کی کم عقلی ہے ———

[1] ہفت روزہ الہام، بہاولپور، شمارہ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۷۵ء، ص ۶

ایک مفتی صاحب کیا، دنیا کا کون مسلمان ہے جو حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والے کو مسلمان جانتا ہو۔"[1]

دیگر حضرات کے علاوہ حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں مشہور عالم و فلسفی علامہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ بھی حاضر ہوتے رہے۔ علمی دنیا میں ان سے کون ہوگا، جو واقف نہ ہوگا۔ وہ میدان علم اور میدان سیاست دونوں کے شہ سوار تھے۔ مگر بایں شرف و بزرگی مفتی اعظم کی خدمت میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی اولاد امجاد سے سندھ کے ایک بزرگ اور راقم کے کرمفرما مولانا حکیم محمد سلیم جان مجددی سرہندی مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں:

"مسجد فتحپوری، دہلی میں حضرت علامۃ الہند مولانا معین الدین مرحوم اجمیری کی معیت میں دو مرتبہ ان کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوا تھا۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ صورت اور شائستہ سیرت تھی کہ دیکھ کر روح کو بالیدگی اور ایمان کو تازگی نصیب ہوتی تھی۔ بلاشبہ سلف صالح کا اعلیٰ نمونہ اور اسوۂ حسنہ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صحیح معنی میں مظہر تھے۔ اعنی محمد مظہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے اکھیاں ترستیاں ہیں

سُخن وری

سخن سنجی کا خاص ملکہ حاصل تھا، اور سخن گوئی سے فطری لگاؤ تھا۔ لیکن ساری عمر دین کی خدمت میں صرف کر دی، اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ مختلف احباب کے نام جو مکاتیب تحریر

۱۔ ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شمارہ شعبان ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء، ص ۴۲

۲۔ مکتوب محررہ ۷ فروری ۱۹۷۵ء از ماتلی، سندھ

نوٹ: مولانا معین الدین اجمیری کے حالات کے لیے "معین المنطق" مطبوعہ کراچی اور "الثورۃ الہندیۃ" مطبوعہ لاہور کا دیباچہ ملاحظہ کریں۔

فرمائے ہیں، ان میں کہیں کہیں اشعار مل جاتے ہیں —— عرصہ ہوا شجرۂ طریقت نظم فرمایا تھا، اس کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

❶ اپنا ذوق و شوق، دردوسوز یا رب عطا کر
اپنے ذکروفکر، اُنس و معرفت کا دے مزا

❷ جس طرف دیکھوں، ہر سو نظر آئے تو ہی
دیدۂ دل میں مرے اس طرح بس جائے تو ہی

❸ جام وحدت کا پلا کر دے بے خود مجھ کو یوں
غیر کا خطرہ نہ آئے دل میں، ایسا مست ہوں

حمیّت وعزیمت

حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کا اصل جوہر عزیمت پسندی میں نظر آتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ ایسے جواہر سے مزیّن ہے۔ آپ نے مسجد فتحپوری میں امامت وخطابت اور بیعت وارشاد کے ہی فرائض انجام نہیں دیئے بلکہ اس خانۂ خدا کی حفاظت ونگہبانی میں اپنی عزت کو عزت اور اپنی جان کو جان نہیں سمجھا۔ اور جس استقامت وجرأت کا مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ عزیمت کا ایک روشن باب ہے۔

آپ کی حیات طیبہ سے حمیت وعزیمت سے مرصع چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)

۱۹۴۸ء سے کچھ قبل ہی سانحۂ مسجد فتحپوری کا سانحہ پیش آیا۔ یہ سانحہ مسجد کانپور اور مسجد شہید گنج لاہور[۱] سے کچھ کم تشویش ناک نہ تھا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک اور شرم ناک تھا۔ وہاں اغیار کا ظلم وستم رنگ لایا اور یہاں اپنوں کی دین فروشی نے یہ ستم ڈھایا۔

۱۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمہ کی معیت میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ (اداریہ روزنامہ مِلّی روشنی، کراچی ۱۲ر دسمبر ۱۹۶۶ء)

واقعہ یہ ہے کہ دہلی کے مشہور و معروف ہندو سیٹھ گڈوڈیا نے مسجد کے مغربی سمت ایک طویل وعریض عمارت اور مارکیٹ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے لیے مسجد کا پشتہ اور متعلقہ زمین جو وقف تھی، مسجد کی منتظمہ کمیٹی سے خرید لی۔ اس کمیٹی میں مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم بھی تھے۔ یہ اس کا نہایت افسوس ناک پہلو تھا——— بہر کیف ہندو سیٹھ نے ایک عظیم الشان عمارت کی تعمیر شروع کی، اور مسجد کی مغربی سمت کے چار ساڑھے چار سو فٹ طویل حصے کو پشتے، برجیوں اور کنگرے سمیت اس عمارت میں دبا دیا، اور عمارت کو ایک عظیم الشان مندر کی شکل دے دی گئی۔ چاروں کونوں پر گنبد اور محراب مسجد سے ذرا ہٹ کر ایک بلند و بالا گنبد بنایا جس سے ناقوس کی آواز سنی گئی۔

؎ آنکھوں سے بہا خون مرے، دل مرا رویا
ناقوس بجایا جو مرے سامنے شب کو (احمد بن عبدالرحمٰن)

اور عمارت کے پرنالے مسجد کی چھت پر کھول دیئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا برہان الحق جبلپوری علیہ الرحمہ جب دہلی تشریف لائے تو پشتۂ مسجد اور اس عمارت کو بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ موصوف نے مولانا مظہر الدین شہید کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

''مسجد فتحپوری کی چھت پر پہنچ کر پشتۂ مسجد پر قائم شدہ عمارت کو اچھی طرح دیکھا۔ ایک ہی نظر میں زیادتیوں کی پوری روئیداد ذہن میں آگئی۔ نہایت تکلیف دہ منظر تھا کہ ایک قدیم شاہی مسجد کا وہ پشتہ جو صرف حفاظت مسجد و استحکام دیوار مسجد کے لیے مسجد کے ساتھ ساتھ تعمیر ہوا، اور ملحق و توابع مسجد ہونے کے سبب شرعاً مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ اس پشتے پر آج ایک متعصب مشرک کی مندر نما عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ امر دل خراش ہے کہ اس کی نالیاں مسجد کی دیوار پر نکلتی ہیں۔ جن سے ہر قسم کا پانی دیوار مسجد پر گرے گا——— طرفہ یہ کہ مسجد کی یادگار اسلام عالی شان گنبدوں اور میناروں کے

درمیان اس مکان کی مندر نما گمٹیاں دیوارِ مسجد سے متصل ہونے کے سبب ایک نووارد دیکھنے والے کے لیے پوری مسجد پر مندر کا گمان پیدا کرسکتا ہے۔ میرے خیال میں اس ظالم بانی مکان کے غاصبانہ تصرّف و تسلّط کا سبب مسجد کے منتظمین کی مجرمانہ غفلت ہے۔ مولانا المکرّم پشتۂ مسجد فتحپوری کی یہ حالت دیکھ کر دل بھر آیا۔ خون کے آنسو نکل آئے اور ایک آہ جگر خراش دل سے نکلی۔ اور پشتۂ مسجد پر اس ظالمانہ تصرف کے باعث ایک خونی منظر[۱] کا مستقبل میں خدانخواستہ پیش آنے والا نقشہ دماغ میں کھنچ گیا۔ کلیجہ پکڑ کر واپس آ گیا۔

والسلام مع الاکرام

۹ر جمادی الآخرہ ۱۳۵۵ھ — فقیر برہان الحق رضوی[۲]

اس عظیم سانحے نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو نہایت مضطرب و بے چین کر دیا۔ چنانچہ منتظمہ کمیٹی کی اس دین فروشی کی سخت گرفت کی۔ مسلمانانِ دہلی کو بیدار کیا اور پُر جوش جد و جہد کا آغاز کیا ــــ آپ کے اس اضطراب و بے چینی سے متاثر ہو کر ایک مخلص انسان سیٹھ احمد بن عبد الرحمٰن میمن میدانِ عمل میں اتر آئے، اور باوجود ضعیفی کے اس کے خلاف پورے زور و شور کے ساتھ جد و جہد شروع کر دی۔

سیٹھ صاحب موصوف[۳] نے ۱۹۴۲ء میں ایک کتابچہ "دہلی کی نئی مجلس اوقاف" شائع کیا

۱۔ مولانا نے جس خونی منظر کا اندیشہ ظاہر فرمایا ہے وہ ۱۹۴۷ء میں فسادات کے دوران دیکھنے میں آیا ــــ
اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ ــــ مسعود

۲۔ روزنامہ "وحدت" دہلی، شمارہ ۱۲ ر اگست ۱۹۳۶ء

۳۔ سیٹھ احمد میمن تحریک آزادیٔ ہند کے سرگرم کارکنوں میں تھے۔ ضعیف و نحیف ہونے کے باوجود جوانوں کے سے جوش و ولولے کے ساتھ کام کرتے تھے۔ سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمہ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ تقسیم ہند سے قبل دہلی میں مقیم رہے اور پھر پاکستان آ کر کراچی میں مقیم ہو گئے۔ یہاں بھی سیاست میں نمایاں حصہ لیا۔ اور مرتے دم تک خلوص و للّٰہیت کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔ دس پندرہ سال ہوتے ہیں کہ کراچی میں انتقال فرما گئے۔
سیٹھ احمد میمن نے اس تحریک کے سلسلے میں بہت سے اشتہارات اور بیانات شائع کرائے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تھا۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے اس خدمتِ خانۂ خدا پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ ——— دردِ مسجد کی ٹیس میرے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟ ——— نہ صرف مجھے بلکہ دوسرے ہمدردانِ مسجد کو بھی کس شے نے اس کارِ خیر کی طرف سب سے پہلے متوجہ کیا؟ ——— آج میں اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ مولانا و مقتدانا حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ کے فیض و برکات اور ان کی خاموش اور مخلصانہ خدمات اسلامی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خانۂ خدا کی پشت پر کدال اور پھاوڑہ بج رہا تھا۔ سب خاموش تھے، نہ علماء کی کوئی آواز تھی نہ مفتیوں کی، نہ عمائدین کی اور نہ عوام کو خبر تھی کہ مسجد کے لیے کیا ظلم ہونے والا ہے۔ اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب کے پاس میری حاضری ہوتی رہتی تھی۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ حضرت مفتی صاحب کو شہیدیٔ مسجد کے واقعہ نے کیسا بے چین کر رکھا تھا۔ بار بار بے ساختہ ایک آہ نکلتی تھی اور لب پر دعا ہوتی تھی کہ:

''الٰہی! بے کس مسجد کا کوئی حامی پیدا فرما۔''

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ سے)
ایک اشتہار میں مسجد اور تعمیر عمارت کا فوٹو اور اس کے ساتھ یہ نظم شائع کی تھی۔ جو جناب محمد احمد قریشی کی عنایت سے ہم کو ملی اور تاریخی حیثیت سے ایک اہم دستاویز ہے:

وہ مفتیٔ شرع جنہیں علم کا ہے دعویٰ — آئیں تو ذرا دیکھیں وہ اس خانۂ رب کو
وہ خانۂ رب سجدے جہاں کرتے ہیں مسلم — پامال کیا کس طرح اس خانۂ رب کو
وہ سیٹھ گڈوڈیا جسے جانے ہے ہر ایک فرد — بت خانہ بنایا اسی نے خانۂ رب کو
کافر کی شکایت کریں کیا خاک بھلا ہم — ویرانہ کیا اپنوں ہی نے خانۂ رب کو
لے فتویٰ کوئی مفتی سے اب جا کے مسلماں — سجدہ کریں مندر کو یا ہم خانۂ رب کو
ہے حکم محمد یہی اے مسلم خستہ! — ہستی کو فنا کر دے بچا خانۂ رب کو
گر پڑھتے ہیں ہم کلمۂ توحید زباں سے — ہم جاں نذر کر دیں گے اس خانۂ رب کو

آئی یہ صدا غیب سے اے سیٹھ ذرا اٹھ
لے ہاتھ میں شمشیر بچا خانۂ رب کو

یہ شے وہ تھی جس کی وجہ سے میں بے تابانہ اس کی حمایت کے لیے کھڑا ہو گیا۔''[1]

●

حضرت علیہ الرحمہ مسجد مذکور میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دیتے تھے اور پشتے کے بارے میں جو غلط فیصلہ کیا تھا، وہ مسجد کمیٹی کے ممبران نے کیا تھا۔ مگر کمیٹی سے اس نازک تعلق کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ نے اظہار حق میں دریغ نہ کیا۔ حالانکہ اسی مسجد کے مدرسۂ عالیہ عربیہ کے بعض اساتذہ نے اسی بنا پر پہلو تہی کیا ——— جب سیٹھ احمد میمن مرحوم نے مسجد کے پشتے کے بارے میں حضرت علیہ الرحمہ سے شرعی فتویٰ لیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی بے باکی کے ساتھ تحریر فرمایا:

''مسجد کا کوئی حصہ تصرف میں لانا ناجائز ہے اور اس قسم کے تصرف کی اجازت دینی بھی متولیان وغیرہ کو ناجائز ہے۔ تصرف میں لانے والے یا اجازت دینے والے دونوں گنہگار، دونوں کو اس سے باز آجانا چاہیے اور آئندہ کے لیے توبہ، اور جو عمارت مسجد کے حصے پر بنائی گئی ہے اس کا گرادینا واجب ہے۔''[2]

چنانچہ اس فتویٰ کا شائع ہونا تھا کہ مسلمانانِ دہلی میں جوش وخروش پیدا ہو گیا۔ بے شمار افراد آناً فاناً مسجد میں جمع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دیوانہ وار اس عمارت کی پاڑ پر چڑھ گئے اور دھڑا دھڑ گرانا شروع کر دیا ——— اس پشتے کی داستان بڑی افسوس ناک ہے۔

قانونی میدان میں حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے معتقد و مخلص جناب محمد شفیع باڑی (کلکتہ) کوشش کر رہے تھے۔ منتظمہ کمیٹی اور ہندو سیٹھ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا۔ یہ مقدمہ برسوں چلا، اور بالآخر تقسیم ہند سے کچھ عرصہ قبل منتظمہ کمیٹی اور ہندو سیٹھ کے خلاف فیصلہ سنا دیا گیا۔ فالحمدللّٰہ علیٰ ذٰلک!

چونکہ ممبران مسجد کمیٹی کے غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے مسلمانانِ دہلی میں

۱۔ سیٹھ احمد میمن: دہلی کی نئی مجلس اوقاف، مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس دہلی، ۳۰/اپریل ۱۹۳۲ء، ص ۱

۲۔ ایضاً: ص ۲

شورش پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے جب ''دہلی سنی مجلس اوقاف'' قائم ہوئی تو مسلمانانِ دہلی کے اصرار اور خود مجلس اوقاف کے بانیوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی مجلس میں شمولیت کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں حضرت علیہ الرحمہ کو اس مجلس میں بحیثیت ممبر شریک کر لیا۔ حضرت کی رکنیت دہلی کے مسلمانوں کے لیے نہایت مسرت بخش تھی۔ اس حسن انتخاب پر اظہار طمانیت کرتے ہوئے سیٹھ احمد میمن مرحوم نے حضرت کی شخصیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

''حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ صاحب اہلِ سنت کے ایک زبردست عالم ہی نہیں ہیں بلکہ آپ ایک روحانی مقتدا بھی ہیں۔ آپ علم و عمل کے جامع ہیں اور صحیح معنوں میں عالم باعمل ہیں۔ شہرت اور نام و نمود سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور علم ظاہری اور باطنی دونوں کے سرچشمے اس ذات مقدس سے جاری ہیں۔ آپ مخالف و موافق سب ہی کے لیے دعا گو ہیں۔ آپ کی مجلس میں کبھی آپ کے کسی مخالف پر سب و شتم نہیں ہوسکتی کہ آپ ایک پیکر تواضع اور مجسمۂ اخلاق اسلامی ہیں۔ علم و عمل کی ایسی جامع ہستیاں آج ہندوستان میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ اور سلف صالحین کے قدم بقدم چلنے والے آپ کے نمونے کے افراد ہمارے زمانے میں زیادہ نہیں ہیں۔ آپ کی یہی خوبیاں ہیں کہ جب اوقاف کی نئی مجلس قائم ہوئی تو آپ کا نام نامی خود بانیان مجلس جدید کے خیال میں آیا کہ چمکنے والے مصنوعی جواہرات تو بہت ہیں حقیقی نورانیت جس گھر میں نظر آتی ہے کیوں نہ اس گھر کے رہنے والے کو مجلس اوقاف کے شرعی معاملات میں سچی شرعی رہنمائی کی خاطر منتخب کیا جائے۔''[1]

[1] ۱۹۴۲ء میں یہ کمیٹی توڑ کر ''سنی مجلس اوقاف'' کے نام سے نئی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر شہید ملت لیاقت علی خان تھے، اور ممبران میں حضرت مفتی اعظم کو بھی شریک کیا گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی شرکت امورِ شرعیہ میں کمیٹی کو فتویٰ دینے کے لیے تھی۔ چنانچہ پاکستان کے مشہور قلمکار جناب ارتضیٰ حسین المعروف بہ ملا واحدی (جو ''دہلی سنی مجلس اوقاف'' کے ممبر تھے) راقم الحروف سے فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ مجلس کی نشستوں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے تو خاموش بیٹھے رہتے۔ جب کبھی کسی شرعی امر میں مشورے کی ضرورت ہوتی تو ممبران رجوع کرتے اور حضرت علیہ الرحمہ اس کی وضاحت فرما دیتے۔ ممبران کمیٹی کی شریعت سے بے خبری نے وہ روز بد دکھایا تھا جب مسجد کے پشتے پر ہندو سیٹھ نے مندر نما عمارت کھڑی کی تھی، اس لیے اس کمیٹی کے لیے امورِ شرعیہ میں رہنمائی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور آپ پورے اتفاق رائے سے منتخب ہوئے۔ باوجودیکہ اس جگہ کی خواہش کرنی تو کجا، آپ تو اس جگہ کے لیے کسی عنوان رضامندی نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو اکابرین شہر اور مخلصین کا اصرار ہی تھا کہ طوعاً کرھاً آپ کو مجبور ہونا پڑا۔"۱

لیکن حضرت علیہ الرحمہ نے "سنی مجلس اوقاف" کی رکنیت اس عزم کے ساتھ قبول فرمائی کہ ممبران مجلس کو امور شرعیہ میں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہیں گے اور ان کی رہنمائی فرمائیں گے اور اگر ذرا بھی یہ محسوس کیا کہ مجلس امور شرعیہ میں محتاط نہیں تو فوراً استعفیٰ دے کر علیحدگی اختیار فرمائی ـــــ کسی مذہبی یا غیر مذہبی مجلس کی رکنیت قبول کرتے وقت فی زمانہ ایسی حزم واحتیاط اور اخلاص عنقا ہو گیا ہے۔ مجلس اوقاف میں حضرت علیہ الرحمہ کی شمولیت کے وقت مسلمانانِ دہلی نے جو توقعات آپ کی ذات گرامی سے وابستہ کر رکھی تھیں، آپ نے اس کو پورا کر دکھایا ـــــ سیٹھ احمد میمن، حضرت علیہ الرحمہ کے اخلاص ونیک نیتی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ کی مجلس کے حاضر باش حضرات کو یقین ہے کہ مجلس اوقاف میں آپ محض اس ارادۂ خیر کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں کہ اسلامی اوقاف کی وہ خدمت انجام دیں جس کی مفتی شرع ہونے کی حیثیت سے آپ سے توقع کی گئی ہے۔ آپ پوری شرعی ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض اس مجلس میں انجام دیں گے۔ اور مجلس میں قیام، پوری مدت انتخاب کے لیے، اس حالت میں فرمائیں گے جبکہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے لیے ایک کامل رہبر کا وجود مسعود لازمی تھا جس کا انتخاب کیا گیا۔

شہید ملت لیاقت علی خاں ۱۹۴۷ء تک مجلس اوقاف کے صدر رہے اس کے بعد صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر ہوئے پھر ممبر پارلیمنٹ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی مرحوم صدر ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم مؤخر الذکر کی صدارت کے دوران مستعفی ہو گئے تھے۔ کیونکہ مجلس اوقاف شرعی معاملات میں غیر محتاط ہو گئی تھی اور مجلس اوقاف میں حضرت مفتی اعظم نے شرکت ہی اس غرض سے کی تھی کہ شرعی معاملات میں کمیٹی کی رہنمائی فرمائیں ـــــ مسعود

۱۔ سیٹھ احمد میمن، دہلی کی سنی مجلس اوقاف، ص ۳

موجودگی اسلامی اوقاف کے لیے مفید ہے، ورنہ استعفیٰ دے دیں گے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم ایسی مبارک ہستیوں کو دیر گاہ قائم و برقرار رکھے کہ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے، اور جو ایسی چند صورتیں ہندوستان میں ہمارے زمانے میں نظر آتی ہیں، غنیمت ہیں کہ ان کے گزر جانے کے بعد لوگ ایسی صورتوں کو ترستے رہیں گے۔

ولعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا [1]

مسجد فتحپوری کی منتظمہ کمیٹی کوئی معمولی کمیٹی نہ تھی۔ دہلی کے علماء و عمائدین شریک تھے۔ مفتی کفایت اللہ بھی اس کے ممبر تھے۔ دنیا میں کسی مسجد کے امام کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ منتظمہ کمیٹی کے فیصلوں میں دخیل ہو اور شریعت کی پاسداری میں اس کے خلاف آواز بلند کرے، اور رائے عامہ ہموار کر کے اس کو جھکنے پر مجبور کر دے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی دینی حمیت اور غیرت کا یہ عالم تھا کہ نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر اعلاء کلمۃ الحق فرمایا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی!

حضرت مفتی اعظم نے جس بے مثال استقلال و استقامت کے ساتھ خانۂ خدا کی حفاظت فرمائی، مولیٰ تعالیٰ نے بھی حضرت کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔ بلاشبہ جو اس کی مدد کرتا ہے، پھر وہ اس کی مدد کرتے ہیں۔ ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم۔

(۲)

ایک مرتبہ والی ریاست حیدرآباد دکن میر عثمان علی خان [2] (م ۱۹۶۷ء) اپنے اسٹاف کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم (م ۱۹۵۵ء) کے موصوف سے بڑے

۱۔ محمد احمد میمن: دہلی کی سنی مجلس اوقاف ص ۴

۲۔ میر عثمان علی خاں نظام دکن ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں ساتویں نظام کی حیثیت سے تخت نشین ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں بھارتی حملے کے بعد معزول کر دیے گئے اور ۲۴ فروری ۱۹۶۷ء / ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ بروز جمعہ کنگ کوٹھی میں انتقال کر گئے۔

(روزنامہ جنگ، کراچی، شمارہ ۲۶ فروری ۱۹۶۷ء ص ۱، ک ۱، ۲)

مخلصانہ تعلقات تھے۔ خواجہ صاحب دہلی کے ممتاز علماء کو نواب صاحب سے ملوانا چاہتے تھے تاکہ ان کے لیے وظیفے جاری ہو جائیں۔ چنانچہ موصوف ازراہِ ہمدردی و کرم نوازی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں حضرات کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ مولانا سیف الاسلام صاحب نے اس طرح نقل فرمائی ہے:

خواجہ صاحب: ''نظام حیدرآباد یہ جمعہ نظام الدین پڑھیں گے، میں چاہتا ہوں کہ کسی وقت آپ نظام صاحب کو اپنی ملاقات سے مشرف فرمائیے۔''

حضرت مفتی اعظم: ''اگر ان کو میری ملاقات کا شوق ہے تو بڑے شوق سے آئیں، میں بھی ان کی ملاقات سے خوش ہوں گا۔ مگر یہ طریقہ میرے اجداد کے خلاف ہے کہ میں کسی بادشاہ یا نواب کے پاس جاؤں۔''[۱]

اس واقعہ کے راوی مولانا سیف الاسلام اور خواجہ حسن نظامی کے درمیان مخلصانہ تعلقات تھے، چنانچہ جب مولانا سیف الاسلام، خواجہ صاحب کے ہاں تشریف لے گئے تو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سلسلے میں ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

خواجہ صاحب: ''دیکھئے مولانا سید احمد صاحب بخاری شاہی مسجد کے امام میر عثمان صاحب والی حیدرآباد سے ملے تو ان کو پانچ سو ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔

سیف الاسلام: ''خواجہ صاحب! مگر مولانا مظہر اللہ صاحب تو ہزاروں (روپے) خود غریبوں، مسافروں، مصیبت زدوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ انہیں بھلا پانچ سو روپے کا کسی سے لالچ کیا ہو سکتا ہے؟''

خواجہ صاحب: ''آپ تو مولانا مظہر اللہ صاحب کے قریب ہیں۔ بتائیے ان کے پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے؟''

سیف الاسلام: ''وہی دیتا ہے جس نے بہانگ دہل فرمایا ہے: ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ـــــ اور یہ بھی (فرمایا ہے) وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین۔''

۱۔ پندرہ روزہ ''غریب نواز'' دہلی، مفتی اعظم نمبر، شمارہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء اداریہ۔

زمن کو صوفیان باصفا را		خدا جویانِ معنی آشنا را

غلام ہمت ِ آں خود پرستم		کہ با نورِ خودی بیند خدا را[1]

دوسری مرتبہ دہلی کے زمانہ قیام میں نواب صاحب نے کسی علمی مسئلے کے بارے میں استفسار کے لیے اپنی قیام گاہ ''حیدرآباد ہاؤس، نئی دہلی'' میں حضرت کو بلایا۔ مگر اس مرتبہ بھی حضرت نے صاف جواب دے دیا:

''ضرورت ان کو ہے، انہیں کو آنا چاہیے۔''

(۳)

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں جب حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ معظمہ میں شاہ سعود کی طرف سے شاہی دسترخوان پر مدعو کیا گیا۔ مگر حضرت نے یہ کہہ کر رد فرمایا:

''جو شہنشاہِ کائنات کے دربار میں آیا ہے، اس کو کسی اور دربار میں حاضری کی ضرورت نہیں۔''

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو		عجب چیز ہے لذت آشنائی

سبحان اللہ سبحان اللہ!

نہ محتاج سلطاں، نہ مرعوب سلطاں		محبت ہے آزادی و بے نیازی

(۴)

برطانوی حکومت کے زمانے میں اکثر سرکاری دعوت نامے آتے رہے مگر حضرت نے

۱۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام محررہ ۲۶/مئی ۱۹۷۱ء از لاہور

نوٹ: ماہنامہ ''عقیدت'' نئی دہلی شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۲ء میں علامہ اخلاق حسین دہلوی اور ماہنامہ ''ہمدرد'' کراچی، شمارہ ۱۹۶۲ء میں ارتضیٰ حسین ملا واحدی نے اپنے اپنے مضامین میں نظام حیدرآباد دکن کی دعوت اور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے استغناء و بے نیازی کا ذکر کیا ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ''فتویٰ رویت ہلال'' (مطبوعہ دہلی ۱۹۵۹ء، ص ۷/۸) میں نظام دکن کے بلاوے اور اپنے نہ جانے کا بڑے عجز و انکسار سے ذکر فرمایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظام دکن نے ایک سے زیادہ مرتبہ یاد کیا، اور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہر بار اعراض فرمایا اور تشریف نہیں لے گئے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے		ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مسعود

کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ تقسیم ہند کے بعد بھی اعیانِ مملکت کی طرف سے دعوت نامے آتے رہے، مگر حضرت نے ساری عمر بے نیازانہ بسر کی۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

۵

۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء میں کئی حادثے رونما ہوئے لیکن قدم قدم پر مولیٰ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ دولت کدے کو اڑانے کے لیے زینے میں بم رکھا گیا۔ لیکن وہ بروقت معلوم کرلیا گیا۔

فسادات کے دوران دولت کدے کے آگے ایک ہجوم میں ایک سکھ نے شہید کرنے کے لیے تلوار نکالنا چاہی لیکن ایک جاں نثار نے اس کو للکارا تو وہ ٹھٹک کر رہ گیا —— حضرت کے چہرے مبارک پر اضطراب کا نام ونشاں بھی نہ تھا، سکون ہی سکون تھا، طمانیت ہی طمانیت تھی۔

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

اس زمانے میں نماز جمعہ کے بعد مسجد فتحپوری کے جنوبی دالان کے آگے حضرت کی گزرگاہ پر ایک بم پھینکا گیا مگر دومنٹ ہوئے تھے کہ حضرت وہاں سے تشریف لے جا چکے تھے۔ بم پھٹتے ہی ایک کہرام مچ گیا اور آواز سنتے ہی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ واپس تشریف لائے اور زخمیوں کی عیادت فرمائی۔

یہ واقعات معمولی نہیں، ان سے ایک طرف عبدِ کامل کی طمانیت کا حال معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف معبودِ برحق کی حفاظت کی شان نظر آتی ہے۔ جو اس کے ہوجاتے ہیں، پھر ان کو کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

ستمبر ۱۹۴۷ء میں دہلی کے خونیں فسادات کے زمانے میں جبکہ ناموسِ مسلم کا سوائے حق جل مجدہٗ کے کوئی محافظ نہ تھا۔ مسجد فتحپوری چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں تھی۔ مسجد میں حضرت علیہ الرحمہ موجود تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ ہی کی استقامت کو دیکھتے ہوئے چند

ملازمین اور طلبہ بھی ٹھہرے ہوئے تھے، مگر سہمے ہوئے تھے۔فسادات کے دوران ایک ایسا وقت آیا کہ زندگی کے تمام آسرے ٹوٹ گئے۔ہر شخص سراسیمہ، موت کا منظر تھا—— دہلی کے کوچہ و بازار خون مسلم سے لالہ زار بنے ہوئے ہیں، فضاؤں سے دہشت ٹپک رہی ہے، زندگی کا کوئی آسرا نہیں، ملک الموت منتظر ہے۔لیکن اس اضطراب و بے چینی کے عالم میں جب اس مرد کامل کو حجرہ شریف میں دیکھا تو سکون قلبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل میں مصروف پایا—— معلوم ہوتا تھا کہ غار ثور سے بلند ہونے والی صدائے ازلی ''لا تحزن ان اللّٰہ معنا'' دل تھامے ہوئے ہے۔معیتِ الٰہی کا احساس ہو تو اس کمال کا—— راقم الحروف بھی حاضر ہے۔اس قیامت کی گھڑی میں مولانا حفظ الرحمٰن (ممبر پارلیمنٹ) آپہنچے کہ فوج کی معیت میں مسجد کے بے کس و مجبور مسلمانوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔مگر جب اہالیانِ مسجد نے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کسی محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں، مسجد کو مقفل کر دیں۔اس پیکر صبر و استقامت نے فرمایا:

''آپ حضرات کو اجازت ہے۔جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر کو یہیں رہنے دیں۔کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا۔تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔تو فقیر کیا جواب دے گا۔''

ع ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

یہ سن کر حاضرین کی آتش عشق بھڑک اٹھی۔ایک ضعیف العمر ملازم نے ایک نعرۂ مستانہ لگایا اور گلوگیر آواز میں کہا:

''میں اپنی جان قربان کر دوں گا، میری قبر منارۂ مسجد کے نیچے بنے گی۔''

الغرض حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بے مثال عزم و ہمت دیکھ کر سب جانثار مسجد ہی میں رہے—— اس موقع پر حضرت کے صاحبزادگان مولانا الحاج محمد احمد علیہ الرحمہ اور مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ بھی موجود تھے، اور راقم الحروف بھی موجود تھا—— حقیقت یہ ہے کہ عین اضطراب میں سکون و طمانیت کا یہ عالم کبھی نہ دیکھا تھا۔

؎ قدسیوں کو رشک اس جمعیت خاطر پہ ہے
کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں

چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ تشریف نہیں لے گئے۔ اور مسجد فتحپوری میں رہ کر تمام شدائد و مصائب کا استقامت و پامردی کے ساتھ مقابلہ فرمایا ور مسجد پر آنچ نہ آنے دی۔ حق جل مجدہٗ کی طرف سے بھی اس وفا شعاری اور عزیمت پسندی کا وہ صلہ ملا کہ قیامت تک کے لیے خانہ خدا کی مہمانی کے شرف سے نوازا گیا۔

ثم یجزاہ الجزاء الاوفی وان الی ربک المنتھیٰ

فسادات سے چند روز پہلے جب کہ دہلی کی فضائیں آنے والے طوفان کی خبر دے رہی تھیں، مخلصین و محبین نے عرض کیا:

''چونکہ مسجد فتحپوری چاروں طرف سے غیر مسلموں سے گھری ہوئی ہے، اس لیے اب رات کو حجرہ شریف میں آرام نہ فرمایا کریں۔''

حضرت علیہ الرحمہ نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا۔ اور جب مسلمانوں نے عاجزی اور لجاجت سے پھر درخواست کی اور عرض کیا:

''آپ کی جان ہم کو اپنی جان سے پیاری ہے، آپ حجرہ شریف میں نہ رہیں، بلکہ دولت کدے پر آرام فرمائیں۔''

آپ نے ہنس کر فرمایا:

''کیا میرا حافظ، اللہ تعالیٰ ساتھ نہیں ہے۔''

اللہ اللہ یقین ہو تو ایسا ہو۔

؎ نقطۂ پرکارِ حق ، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

(۶)

عزیمت کی ایک شاندار مثال اس وقت دیکھنے میں آئی جب حضرت کے ہونہار، لائق

اور حسین وجمیل جواں سال فرزند مولانا منور احمد علیہ الرحمہ کا ۱۹۴۴ء میں وصال ہوا ــــ جس نے یہ داغ اٹھایا ہے، وہی اس شدت کو محسوس کر سکتا ہے۔ جب مولانا منور احمد علیہ الرحمہ کو کفنا کر لٹایا گیا تو حضرت سرہانے کھڑے مسکرا رہے تھے اور یہ الفاظ زبان مبارک پر تھے:

''اے مولیٰ! تو اپنے بندے کو آزمانا چاہتا ہے، ترا بندہ ہرگز ہرگز مضطرب نہ ہوگا، وہ تیری رضا پر راضی ہے۔''

؎ حریف نالۂ پُر درد ہو تو ہو پھر بھی
ہے ایک تبسم پنہاں ترا بہائے چمن

اسی طرح دوسرے جواں سال اور عالم وفاضل صاحبزادے حضرت مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد، سندھ میں انتقال فرماگئے۔ ایک جواں سال فرزند کی عارضی مفارقت ہی والدین کے لیے قیامت ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ آنکھوں سے اوجھل لخت جگر اللہ کو پیارا ہو جائے ــــ جب وصال کی اطلاع دی گئی تو قلب مبارک پر کیا کچھ نہ گزری ہوگی۔ لیکن اس عظیم سانحہ پر زبان سے جو کچھ فرمایا وہ وہی تھا جو سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے فرزند عزیز کے وصال پر فرمایا تھا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے ایک تلمیذ رشید حافظ عبدالسمیع مرحوم کے تعزیتی خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''کل حیدرآباد سے تار آیا۔ مولوی منظور احمد انتقال فرماگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون! یہ فرزند میری اولاد میں نہایت جلیل القدر عالم تھا۔ ان کے اساتذہ کا بیان ہے کہ ہم نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی عمر نے وفا کی تو شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے درجہ کو پہنچے گا۔ پس ایسے لائق فرزند کی مفارقت سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مجھ کو کس قدر الم ہونا چاہیے۔ لیکن فقیر اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے، تم کو بھی صبر کرنا چاہیے۔''[1]

خلش درد کی بن آئی ہے ‌ ‌ ‌ تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے

اس عالم حزن ویاس میں ظاہر ہے کہ ایک مشفق باپ کے تاثرات کیا ہو سکتے تھے۔ مگر

۱۔ مکتوب گرامی محررہ ۲۳ / جون ۱۹۴۹ء از دہلی

حضرت علیہ الرحمہ نے اس جانکاہ سانحہ کی خبر اپنے تلمیذ رشید حافظ عبد السمیع مرحوم کو ان الفاظ میں دی جس کو پڑھ کر وہ سماں سامنے آتا ہے جب آنحضرت ﷺ کی گود میں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم وصال فرمارہے تھے۔ آپ روتے جاتے اور فرماتے جاتے:

''ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں، ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکل سکتا جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔''

(۷)

تبلیغ اسلام میں حضرت علیہ الرحمہ نے جس عزم و ہمت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہزارہا غیر مسلموں کو مشرف با سلام کیا۔ مگر بعد میں جبکہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، حضرت مرحوم نے بے خوف و خطر ہو کر غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔

؎ یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللّٰہ

سیاست

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اور آپ کے اجداد کرام نے ہر نازک دور میں ملک و ملت کی خدمت کی۔ چنانچہ حضرت کے والد ماجد مولانا مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ کے عم محترم حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ علیہ الرحمہ نے (جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت مسجد فتحپوری میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے) دہلی پر انگریزوں کے حملے کے وقت فتویٰ جہاد پر دستخط ثبت فرمائے[۱] ـــــ یہ فتویٰ بہادر شاہ ظفر کے حکم سے دہلی کے تمام مطبعوں میں چھپا اور اس نے مجاہدین آزادی میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ بھی تحریک آزادی ہند سے الگ تھلگ نہیں رہے۔ البتہ سیاسی معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا ـــــ تحریک خلافت ۱۹۱۹ء کے آغاز میں کچھ عرصہ شریک رہے لیکن جب تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء کا آغاز ہوا تو اس سے علیحدہ ہو گئے

۱۔ نوائے آزادی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۷ء، عکس فتویٰ، ص ۹/۸۔

اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس فتوے کی بنیاد سیاسی نہ تھی بلکہ خالصتاً شرعی تھی۔ [1]

عقائد و سیاست میں مفتی اعظم کا مسلک واضح تھا۔ انہوں نے کبھی کسی مصلحت کی بنا پر اپنے نظریات و فیصلوں میں نشیب و فراز آنے نہیں دیا۔ وہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی کے ایماء پر تحریک ترک موالات چلائی گئی۔ مفتی اعظم نے اس بناء پر اس کی مخالفت فرمائی کہ ایک طرف تو یہ تفریط کہ انگریزوں سے مطلقاً مقاطعت اور دوسری طرف یہ افراط کہ مشرکین ہند سے نہ صرف سیاسی تعاون بلکہ اخوت و محبت اور دوستی و یگانگت کی کوشش اور اس کوشش میں شعائر اسلام سے بھی لاپرواہی حتیٰ کہ بعض مسلمان اس شک میں پڑ گئے کہ ہندوستان کے ہندو مشرک بھی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں مفتی اعظم سے ایک سائل نے پوچھا اور سوال کیا:

"زید کہتا ہے کہ از روئے قرآن حکیم ہندوستان کے ہندو نہ مشرک ہیں نہ نجس۔ کیا زید کا بیان صحیح ہے؟"

مفتی اعظم نے جواب دیا:

"غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یا خدا کی کسی صفت خاصہ کو کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اور یہ شے ہنود میں موجود ہے۔ لہٰذا وہ مشرک ہیں۔ زید کا ان کو مشرک نہ کہنا صحیح نہیں۔" [2]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے ترک موالات پر نہایت جامع و محقق رسالہ قلمبند فرمایا ہے ——— مولانا موصوف کے مرید خاص (۱۹۲۶ء) جناب اشتیاق علی سنبھلی نے اپنا ایک واقعہ راقم کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں زیر تعلیم تھے۔ اسی

۱۔ فتاویٰ مظہری، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء فتویٰ نمبر ۲۳۹، ص ۳۲۹ تا ۳۳۲

۲۔ فوٹو سٹیٹ فتویٰ مفتی اعظم ——— عطیہ محمد معروف صاحب، کراچی

زمانے میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں ایک عالم نے ترک موالات کی حمایت کی اور اس سلسلہ میں ایک حدیث سے استدلال کیا۔ مجمع میں ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کے نعرے لگ رہے تھے۔ اشتیاق علی صاحب غیرت ایمانی سے جوش میں آکر چلا اٹھے: ''تم غلط کہتے ہو۔''
بس پھر کیا تھا، سب لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو پکڑ کر حجرے میں لائے۔ جہاں فاضل جلیل مولانا عماد الدین سنبھلی علیہ الرحمہ بھی تشریف فرما تھے۔ مفتی اعظم نے ایک حدیث نکال کر حاضرین کو دکھائی اور فرمایا: ''اشتیاق علی صحیح کہتے ہیں۔''[۱]

اسی طرح حکومت ہند کی طرف سے سارد ابل پاس کیا گیا، تو مفتی اعظم نے اس کی مخالفت فرمائی۔ مسٹر ہر بلاس سارد ا نے ہندو سوسائٹی میں رائج بچپن کی شادیوں کے خلاف اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا تھا۔ اسمبلی میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیوں نہ اس کا اطلاق مسلمانوں پر بھی کیا جائے۔ بعض ناعاقبت اندیش ممبروں نے اس کی حمایت کی۔ چنانچہ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کو یہ بل اسمبلی میں اور ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مجلس مملکت میں پاس کر دیا گیا۔ اس کی رو سے ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی قانوناً قابلِ تعزیر جرم قرار دے دی گئی۔ چونکہ یہ کھلم کھلا ان رعایات میں مداخلت تھی جو اسلام نے اسلامی معاشرے کو دی ہیں۔ اس لیے بعض علماء حق نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اس سلسلے میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی کے صدر المدرسین مولانا سلطان محمود صاحب نے ''سارد ابل اور اسلام'' کے نام سے ایک محققانہ فتویٰ لکھا۔ جو اسی زمانے میں دہلی سے شائع ہوا۔ مختلف علماء نے اس کی تصدیق فرمائی۔ مفتی اعظم نے بایں الفاظ اس کی توثیق کی:

''اس رسالے کو میں نے دیکھا، جناب مولانا مولوی سلطان محمود صاحب نے قانون سارد ابل کے مضار پر جس خوبی سے روشنی ڈالی، وہ قابل تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دے کر مولانا ممدوح کی کوشش کو ٹھکانے لگائے۔''

(محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام مسجد فتحپوری، دہلی)

۱۔ بروایت اشتیاق علی صاحب۔ حیدرآباد سندھ ۱۳ / اپریل ۱۹۷۰ء

مولوی محمود صاحب مذکور مسلک دیوبند کے عالم تھے۔ لیکن بایں ہمہ مفتی اعظم کے بارے میں یہ خیال رکھتے تھے:

''وہ شریعت کی برہنہ تلوار ہیں، ان کے ہاں کوئی مصلحت اور کسی قسم کی رورعایت ہی نہیں۔''[۱]

مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی[۲] سے حضرت علیہ الرحمہ کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ یہ حضرات حضرت کے پاس آتے جاتے تھے۔ چنانچہ مولانا منور حسین سیف الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی صاحبان بھی حضرت مفتی اعظم سے ملتے تھے۔ مگر حضوری کے بعد یہی کہتے تھے کہ مفتی صاحب اٹل ہیں، وہ مشرکوں کے ساتھ کسی صورت میں اشتراک کو جائز نہیں سمجھتے۔''[۳]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ دین وسیاست کو علیحدہ نہیں سمجھتے تھے کہ:

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضرت علیہ الرحمہ نے ہمیشہ سیاسی معاملات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا اور اس دینی اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا جو اُن کے معاصرین علماء میں ماسوائے چند ایک کے، کسی کو حاصل نہ تھی۔ ترک موالات کے علاوہ جب مشرکین ہند کی تالیف قلوب کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنے کی تحریک خود مسلمانوں کی طرف شروع ہوئی تو حضرت نے سخت مزاحمت فرمائی اور اس کے خلاف فتویٰ دیا۔[۴]

۱۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حیات مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء، ص ۱۸

۲۔ مولانا شوکت علی کی تجہیز و تکفین بھی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی نگرانی میں ہوئی ——— مسعود

۳۔ مکتوب محررہ ۲۶/ مئی ۱۹۷۱ء از لاہور

۴۔ ملاحظہ ہو ''فتاویٰ مظہری'' جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء، فتویٰ نمبر ۲۳۵، ص ۳۲۱، ۳۲۲

نوٹ:۔ حافظ بشیر احمد غازی آبادی نے اخبار جنگ، کراچی شمارہ ۴/ اگست ۱۹۷۱ء میں ''چند یادیں چند باتیں'' کے زیر عنوان حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ایک اہم فتویٰ نقل کیا ہے۔ جو اخبار ''الہام'' بہاولپور کے شمارہ ۷/ جولائی ۱۹۷۱ء میں جناب محمد صادق قصوری نے بھی نقل کیا ہے۔ مسعود

پھر ایک عرصے بعد جب تحریک پاکستان شروع ہوئی تو مفتی اعظم نے جذبات سے علیحدہ رہ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلے صادر فرمائے، اور صحیح خطوط پر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ حق پسندی اور حق گوئی میں ان کا ثانی نہ تھا۔ وہ شریعت کے سامنے دوست و دشمن کسی کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے تھے، خود تحریر فرماتے ہیں:

''الحمد ﷲ علیٰ احسانہ! میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت راسخ ہوگئی ـــــ اس طرح اپنے دوست کی طرف باطل دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی، اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہوگیا۔

لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پرواہ اور نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف۔ والحمد ﷲ علیٰ ذٰلک۔''[۱]

جس کا معیار حق گوئی یہ ہو وہ کسی سیاسی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا کہ وہاں حمایت اور مخالفت کا دارومدار مصلحت وقت پر ہوتا ہے، شریعت پر نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا حق پسند انسان نیک مقاصد میں سیاسی جماعت کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ چنانچہ تحریک پاکستان میں حضرت نے مؤثر رہنمائی فرمائی۔[۲]

روزنامہ ''نئی روشنی'' کراچی کے اداریہ نگار لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ اگرچہ بظاہر ایک گوشہ نشین بزرگ تھے، لیکن جن لوگوں کو ان کا تقرب حاصل تھا یا ان کی دینی خدمات مخلصانہ سے واقف تھے، وہ جانتے ہیں کہ دہلی میں کانگریسی علماء کیسے فتاویٰ شرکت کانگریس کے جواب میں استدلال شرعی سے موالات بالکفار کی نفی فرما کر تحریک مسلم لیگ واحیائے پاکستان کو بڑا فروغ دیا اور لاکھوں مسلمانوں کی ذہنی وفکری رہنمائی فرمائی۔''[۳]

۱۔ دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۳۰

۲۔ جناب محمد صادق قصوری نے ''حضرت مفتی اعظم کی ملی خدمات'' پر ایک تحقیقی مقالہ قلمبند کیا ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گا ـــــ مسعود

۳۔ نئی روشنی، کراچی، شمارہ ۳، نومبر ۱۹۶۶ء، ص ۲، ک ۱/۲

لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے جس تحریک پاکستان کا احیاء فرمایا، وہ موجودہ پاکستان تھا، جہاں قرآن وسنت کی بالا دستی ہوئی۔ جہاں کے عوام وخواص خدا اور رسول کے سچے اطاعت شعار اور فدا کار ہوتے۔ لیکن حیف تحریک پاکستان کے اسلام دوست مخلص مجاہدین اس صبح فروزاں کے انتظار میں تارے گنتے گنتے تھک گئے اور تھک تھک کے خدا کو پیارے ہو گئے۔

ع کون جیتا ہے شب ہجر سحر ہونے تک

عمر اک چاہیے، یہ عمر بسر ہونے تک

اللہ اللہ!

کیسی دراز دستیٔ شب ہائے تار تھی مطلق پتا ملا نہ گریبانِ صبح کا

شکر ہے کہ اب امید کی کرن نظر آئی ہے۔ خدا کرے شبِ تاریک کے مارے صبح فروزاں کا نظارہ کریں۔ آمین! اللھم آمین!

قائد اعظم محمد علی جناح حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ جس زمانے میں مسلم لیگ نے پاکستان کے نظام حکومت کے لیے قرآن وسنت کا اعلان کیا۔ قائد اعظم حضرت مفتی اعظم کی زیارت کے لیے مسجد فتحپوری حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کا حال مسلم لیگ کے سرگرم کارکن اور مبلغ اسلام حضرت مولانا سیف الاسلام کی زبانی سنئے۔ جب موصوف قائد اعظم کی کوٹھی پر تشریف لے گئے تو ان کے اور قائد اعظم کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

قائد اعظم نے فرمایا:

"کل میں حضرت مولانا محمد مظہر اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ:

"آپ قرآن وسنت کے نام سے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلاتے ہیں، مگر افسوس کہ آپ خود قرآن وسنت سے واقف نہیں ہیں۔"

سیف الاسلام نے جواب دیا:

"حضرت مولانا کی غرض تھی کہ آپ اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ سے واقف نہیں ہیں۔ ہاں تو حضرت یہ تو فرمائیے کہ جب مفتی مظہر اللہ صاحب نے یہ کہا تھا

تو آپ نے قوم کا لیڈر ہوتے ہوئے ان کو کیا جواب دیا؟

قائداعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''میں نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھ کو قرآن وسنت کے علوم سے آگاہ کردے —— تو مولانا نے دعا کردی۔''

مولانا سیف الاسلام صاحب نے جواب دیا:

''بس آپ قرآن وسنت کے پکے مبلغ بن گئے۔''[1]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حزم و احتیاط کی انتہا تھی کہ جو قوم کو قرآن وسنت کی طرف بلا رہا تھا، اس کی خلوتوں کا حال بھی معلوم کرلیا۔ کیونکہ بالعموم سیاست دانوں کا ظاہر وباطن ایک نہیں ہوتا۔ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، چنانچہ ایک روز مولانا سیف الاسلام سے فرمایا:

''آپ تو مسٹر محمد علی جناح صاحب کی کوٹھی پر جاتے رہتے ہیں، آپ ذرا دریافت کیجئے گا کہ یہ نماز روزے کے پابند ہیں اور شراب وغیرہ چھوڑ چکے ہیں۔''[2]

حضرت علیہ الرحمہ کی ہدایت پر سیف الاسلام صاحب تشریف لے گئے۔ یہ سارا ماجرا خود ان کی زبانی سنئے:

''بھائی جان میں ایک دن خوب غصے میں بھرا ہوا کوٹھی پر پہنچا تو ان کا خادم خاص ضلع بجنور کا سنی عی تھا۔ میں نے کہا: ''بھائی! قائداعظم تو جلسوں میں قرآن وسنت پر عمل کرانے کیلئے پاکستان بنانے کا دعویٰ کررہے ہیں، یہ تو بتایئے کہ یہ شراب تو نہیں پیتے —— اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔''

انھوں نے کہا کہ جب سے مسلم لیگ کی اشاعت کرتے اور اپنی جماعت کو مسلم لیگ کہتے ہیں، کبھی بھی کوٹھی پر شراب نہیں آئی۔ رات کے دو بجے اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور بہت دیر تک سجدے میں روتے اور بہت گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں۔''

۱۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام محررہ ۲۶ر مئی ۱۹۷۱ء

۲۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام محررہ ۲۶ر مئی ۱۹۷۱ء

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ مسلمان سیاسی رہنماؤں (خصوصاً وہ جو اسلام کے داعی تھے) کی زندگی میں اتباع شریعت نبوی ﷺ پر کڑی نظر رکھتے تھے —— چنانچہ ایک مرتبہ شہید ملت لیاقت علی خاں کی کوٹھی "گل رعنا" نئی دہلی تشریف لے گئے تو ان کو نماز کی تلقین فرمائی۔ انہوں نے شرم وندامت سے سر جھکا لیا، اور یہ وعدہ فرمایا کہ پابندی کریں گے —— کئی سال ہوئے شہید ملت کے پرسنل سیکرٹری مولانا ظفر احمد انصاری (ممبر قومی اسمبلی، پاکستان) نے بہاولپور میں ایک ملاقات کے دوران یہ بات بتائی تھی۔

الغرض حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے محض خدا کے لیے دین وملت کی خدمت کی۔ اسی لیے پاکستان وجود میں آنے کے بعد دوسرے علماء کی طرح اس طرف رخ نہ کیا اور نہ اس پر اپنا حق جتایا —— حضرت یہاں تشریف لاتے تو ان کے لیے کیا کچھ نہ ہوتا۔ لیکن حضرت نے شانِ تقویٰ کے خلاف سمجھا کہ پاکستان جا کر مادی منافع حاصل کیے جائیں، جس طرح دوسرے علماء نے حاصل کیے اور برابر حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خلوص وللّٰہیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ۱۹۶۱ء میں قیام کراچی[1] کے دوران ان کے سینکڑوں مریدین ومعتقدین نے پاکستان میں مستقل قیام کے لیے اصرار کیا تو آپ نے منظور نہ فرمایا —— اس واقعہ کو روزنامہ "نئی روشنی" کراچی کے اداریہ نگار نے اس طرح نقل کیا ہے:

"جب مریدین نے قیام پاکستان کی درخواست کی تو فرمایا: "یہاں اللہ کا کرم ہے۔ آپ سب آرام وسکون سے ہیں۔ خدا پاکستان کو اپنی رحمت سے نوازتا رہے۔ فقیر کے لیے دہلی کا گوشہ کافی ہے۔"[2]

سبحان اللہ!

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

۱۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام محررہ ۲۶/مئی ۱۹۷۶ء از لاہور

۲۔ شمارہ ۲۴/دسمبر ۱۹۶۶ء اداریہ

دہلی کا پندرہ روزہ اخبار "غریب نواز" اپنے ایک اداریے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی مذہبی اور ملی خدمات کا اس طرح ذکر کرتا ہے:

"علم تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت وثروت، لالچ وطمع اور شہرت واقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبود حقیقی کی رضاء وخوشنودی کے لیے جامۂ فقیری میں مخلوق خدا کی جس طرح رہنمائی فرمائی۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے بددینی اور بدعقیدگی کے خلاف جو نا قابل فراموش جدوجہد کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔"

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے ہر اُس موقع پر جب مسلمانوں پر یا ان کے دین پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو، جب بھی اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش مُلّا بھی میدان میں نکلے تو خدا کے اس شیر نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان کو للکارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا۔"[1]

حج بیت اللہ اور زیاتِ حرمین طیبین

حضرت علیہ الرحمہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے بھی مشرف ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں اس مبارک سفر پر تشریف لے گئے۔ چونکہ سرکار دو عالم ﷺ کے عاشق صادق تھے، اس لیے یہ عشق ومحبت کشاں کشاں پہلے مدینہ منورہ لے گیا۔ وہاں تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا —— ایام حج میں اتنے طویل عرصہ قیام کی اجازت نہیں، مگر حضرت علیہ الرحمہ سے

۱۔ پندرہ روزہ "غریب نواز" دہلی، مفتی اعظم نمبر، شمارہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء اداریہ

نوٹ:۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نا۔سس پاکستان کے ۱۴ برس بعد ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو پاکستان تشریف لائے —— پھر ۳۰/ جولائی ۱۹۶۴ء کو دوسری بار تشریف لائے۔ پاکستان کے مختلف شہروں بالخصوص کراچی کے سیکڑوں مریدین واحباب مستفیض ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی آمد آمد کی خوشی میں پاکستان کے علماء ومشائخ اور عوام نے ضیافتیں دیں، منقبتیں کہیں اور سپاس نامے پیش کیے —— مسعود

حکومت وقت نے کہہ دیا کہ جتنے عرصہ چاہیں قیام فرمائیں ـــــ حقیقت میں یہ عشق نبوی ﷺ کا اعجاز ہے۔ گنبدِ خضرا کی زیارت سے حضرت علیہ الرحمہ کو جو مسرت وخوشی ہوئی۔ اس کا کچھ اندازہ ان واقعات سے ہوسکتا ہے:

۱

۱۹۵۲ء میں حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب حیدرآباد، سندھ سے زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ جب اس سفر مبارک کی حضرت علیہ الرحمہ کو اطلاع دی تو آپ نے جواباً جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا، اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''میں کیا بتاؤں کہ میری طرف سے اس سرکار میں آپ کیا عرض کریں، آپ تو کچھ عرض کر بھی دیں گے، میری زبان نے تو بوقت حضوری یاری دی نہ اب دیتی ہے۔''[۱]

علامہ ممدوح ہی کے نام ایک دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''نامۂ گرامی نے قلب مضطرب میں وہ تلاطم پیدا کر دیا جس نے جواب کی تحریر کے قابل بھی نہ رکھا ـــــ میں جو لکھنا چاہتا ہوں لکھا نہیں جاتا، جب لکھنے کا خیال کرتا ہوں گریہ دامنگیر ہوجاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا لکھنا چاہتا ہوں اور کیا تم سے تمنا رکھتا ہوں یعنی ہر مقام پر دعا کی۔''[۲]

۲

اسی طرح حضرت کے ایک مرید وسفیر جناب محمد احمد صاحب قریشی نے جب اپنے والد ماجد جناب نور احمد مرحوم کے سفر حج پر روانگی کی اطلاع دی تو حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا:

''حقیقت یہ ہے کہ اس دیار پاک کی طرف ان کا ذوق وشوق قابل غبطہ ہے، مجھ جیسا ناکارہ شخص اس قابل کہاں کہ اس بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوسکے ـــــ کہ ایک مرتبہ اپنے کرم سے نوازا تو اس ہی کی اس نابکار نے کیا قدر کی ـــــ لیکن ان کے کرم سے

۱۔ مکتوب بنام علامہ مفتی محمد محمود، حیدرآباد سندھ، موصولہ یکم مئی ۱۹۵۲ء

۲۔ مکتوب بنام علامہ مفتی محمد محمود، حیدرآباد سندھ، مرسلہ ۱۹۵۲ء

بعید نہیں کہ وہ اپنے آستانہ کی جبہ سائی کا پھر موقع عطا فرمائیں اور اپنے ہی قدموں میں کام تمام فرما دیں۔ افسوس! واللہ ثم واللہ میں نے کچھ قدر نہ کی۔"[1]

(۳)

حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے فرزند نسبتی جناب حافظ قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب جب بہاولپور سے زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے حضرت علیہ الرحمہ کو اطلاع دی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اس خبر پر مسرت وخوشی کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اس تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے میرے چہیتے عزیز کو ایسی نعمت کے عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا ہے جس کے استحقاق کی قابلیت اپنے میں ہم موجود نہیں پاتے، اپنی حاضری کے وقت بھی بار بار مسجد نبوی کے در و دیوار پر نظر اٹھا کر یہ سوچتا تھا کہ یہ منظر خواب میں مجھے میسر ہے یا واقع میں یہ نعمت عطا کی گئی ہے؟ —— یہی اس وقت حال ہے۔"[2]

ارادہ تو مستقل ہجرت کا تھا اور تمنا یہ تھی:

؎ آستاں پہ تیرے سر ہو، اجل آئی ہو
پھر تو اے جانِ جہاں! تو بھی تماشائی ہو

مگر عزیزوں اور محبوں کے اصرار سے بادل ناخواستہ ہجرت کا ارادہ ترک فرما دیا —— عشق الٰہی اور محبت نبوی ﷺ حیاتِ طیبہ پر محیط تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں نے جب وطن عزیز سے خاطر برداشتہ کیا تو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:

"سوائے دیارِ محبوب کے کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

حضرت علیہ الرحمہ مدینہ منورہ میں طویل قیام کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ یہاں استغراق ومحویت کا عجیب ہی عالم تھا۔ جو نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا۔

۱۔ مکتوب بنام محمد احمد قریشی، مرسلہ یکم مئی ۱۹۵۱ء

۲۔ مکتوب بنام حافظ قاری سید حفیظ الرحمٰن، مرسلہ ۲۰ مئی ۱۹۵۱ء

صاحب قلبی قط شئیا غیرکم　　　　کلا ولیس سواکم مطلوبہ

حضرت کے رفقاء کہتے تھے کہ حضرت کے لوح قلب سے اور تو اور اولاد کے نام تک محو ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب حضرت نے صاحبزادگان کی طرف سے عمرہ کرایا اور معلم عبید الرحمٰن نے سندات کے اجراء کے لیے صاحبزادگان کے نام دریافت کیے، تو باوجود ذہن پر زور ڈالنے کے حضرت کسی ایک کا نام نہ بتا سکے۔

وافی المحب فزارہ محبوبہ　　　　بشراہ یا بشراہ ذا مطلوبہ

یہ دیکھ کر سب حاضرین حیران رہ گئے۔ درحقیقت حق جل مجدہٗ اپنے بندوں سے اسی کمالِ محبت کا طلبگار ہے۔ یہی محبت معیار بندگی ہے۔

؎ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے **لذت** آشنائی

پاکستان آمد

تقسیم ملک اور قیام پاکستان کے بعد بہت سے احباب بچھڑ گئے تھے۔ یہ دور دورِ ابتلاء تھا۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ نے کمال استقامت کے ساتھ غموم و آلام کو برداشت کیا اور دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

؎ شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

پاکستان میں مہجور و غمگیں احباب عرصہ دراز سے دیدار کے متمنی تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں پہلی بار اور پھر ۱۹۶۲ء میں دوسری بار پاکستان تشریف لائے۔ اور یہاں مختلف شہروں میں محبین و مریدین کو مستفیض فرمایا۔ بکثرت لوگ مرید بھی ہوئے۔

نیز پاکستان تشریف لانے میں حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک عزیمت پسندی مانع رہی۔ فوٹو کھنچوانا حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک شرعاً جائز نہ تھا۔ اس لیے احباب کے بار بار اصرار کے باوجود پاکستان تشریف نہیں لائے۔ حتیٰ کہ جب آپ کے صاحبزادے مولانا منظور احمد

علیہ الرحمہ کا حیدرآباد، سندھ میں وصال ہوا۔ اس وقت بھی تشریف نہیں لائے۔ حضرت نے اپنے مکاتیب شریف میں کئی مقامات پر اس طرف اشارہ فرمایا ہے —— کئی سال بعد کسی حکمت سے حضرت کا فوٹو کھینچ کر پاسپورٹ بنوادیا گیا۔ اور علامہ مفتی محمد محمود صاحب نے حضرت کو دعوت دینے کی غرض سے دہلی کا سفر کیا اور اصرار کا حق ادا کر دیا بطوعاً وکرہاً حضرت نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔

۱۹۶۱ء میں پہلی بار پاکستان تشریف لائے۔ حضرت کا طیارہ کراچی کے ہوائی اڈے پر اُترا۔ فضائیں نعروں سے گونج رہی تھیں۔ عجب رقت انگیز سماں تھا۔ کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت کی قیام گاہ پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا۔ ہزارہا افراد مستفیض ہوئے۔ اہل محبت نے دعوتیں اور عصرانے دے کر اپنی محبت کا ثبوت دیا —— حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہ[1] (صدر مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام) نے کراچی کے علماء کرام کو جمع کر کے حضرت کو عصرانہ پر مدعو فرمایا اور سپاس نامہ پیش کیا۔ جس میں حضرت کی دینی علمی خدمات کو سراہا گیا تھا۔

مختلف حضرات نے منقبتیں پیش کیں۔ جن میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

- مولانا ضیاء القادری بدایونی[2]
- عزیز الملک مولانا محمد یوسف سلیمانی جے پوری
- مولانا عبدالسلام باندوی مرحوم اور
- قاضی محمد حمایت اللہ صاحب

کراچی میں قیام کے بعد حضرت حیدرآباد اور لاہور بھی تشریف لے گئے۔ ہر مقام پر شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ لاہور میں بھی منقبتیں پیش کی گئیں۔ یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

حضرت زیبا ماروی — حکیم محمد عمر قریشی[3] اور — جناب محمد احمد قریشی[4]

محبین نے پاکستان میں مستقل سکونت کے لیے درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

۱۔ وصال ۱۵/جمادی الاول ۱۳۹۰ھ/۲۰/جولائی ۱۹۷۰ء بمقام کراچی

۲۔ وصال ۱۲/جمادی الآخر ۱۳۹۰ھ/۱۵/اگست ۱۹۷۰ء بمقام کراچی

۳۔ وصال ۳/ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ/۲۸/مئی ۱۹۹۰ء بمقام لاہور

۴۔ وصال ۲۸/شوال ۱۴۰۷ھ/۲۵/جون ۱۹۸۷ء بمقام لاہور

''دہلی کے بے کس اور غریب مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے۔''

یہی وہ نفوس قدسیہ تھے جو اپنی ہر آسائش و راحت کو دوسروں کے لیے قربان کر دیتے ہیں، اور جن کے دل حزیں میں سب کا درد تھا۔ یہ درد انسانیت کی معراج ہے۔

؎ خدا کے بندے ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

دو ماہ قیام کے بعد حضرت نومبر ۱۹۶۱ء کے آخر میں دہلی تشریف لے گئے۔

جولائی ۱۹۶۴ء میں حضرت دوبارہ اور آخری بار پاکستان تشریف لائے۔ اس دفعہ پاکستان کے بیشتر شہروں میں تشریف لے گئے اور ہر جگہ شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ ضعف و نقاہت کے باوجود احباب کی دلداری کا حق ادا کر دیا۔ سفر کرنا تو بڑی بات تھی، چلنا پھرنا مشکل تھا۔ مگر آپ نے دوسروں کی راحت کے لیے اپنی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اور کراچی، حیدرآباد، میر پور خاص، بہاولپور، ملتان، منٹگمری (ساہیوال)، خانیوال، پاکپتن شریف، لاہور، شرقپور شریف، راولپنڈی، مری وغیرہ کے تمام احباب اور مریدین کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

یہ حضرت کا آخری سفر تھا۔ ایک عزیز کو الوداع کہتے وقت خود فرمایا:

''اب انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی۔''

جب لاہور کے ہوائی مستقر سے حضرت علیہ الرحمہ دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو عجب رقت انگیز منظر تھا۔ عقیدت مند، عقیدت کے آنسو بہا رہے تھے۔ دل تھے کہ سینوں سے نکلے جا رہے تھے۔ حرماں نصیبی سی حرماں نصیبی تھی۔

وداعِ صحبتِ ساقی سے مے خانہ غم خانہ ہے

رحلت

مجلس اوقاف کی رکنیت سے علیحدگی کے کچھ عرصہ بعد تک حضرت علیہ الرحمہ امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، مگر بعد میں گوشہ نشینی اختیار فرمالی۔ لیکن آخری چند سالوں

میں علالت کے دوران معمولات میں بالکل فرق نہیں آیا۔ضعف ونقاہت کی وجہ سے ہاتھ کانپتے تھے، پیر لرزتے تھے۔مگر اس کے باوجود بے شمار خطوط اور فتوؤں کے جوابات لیٹے لیٹے خود تحریر فرماتے تھے۔جمعہ جمعہ مسجد شریف میں تشریف لاکر محبین ومعتقدین کو اپنے دیدار سے مشرف فرماتے اور ملفوظات سے نوازتے۔آخر وقت تک کسی سے کسی قسم کا سہارا نہ لیا۔کہ ان کا تکیہ تو اسی محبوب حقیقی پر تھا جس سے بڑھ کر کوئی سہارا نہیں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ عرصہ دراز سے علیل تھے۔کئی بار فالج کا حملہ ہوا مگر مولیٰ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور تقریباً ۷۰ سال اپنے علمی اور روحانی کاموں میں مصروف رہے۔لیکن بالآخر وہ ساعت فراق آئی جو آئی ہے —— ہمارے لیے فراق ہے مگر ان کے لیے وصال ہی وصال ہے —— وصال سے قبل آپ نے اس آنے والی ساعت کی خبر دی۔چنانچہ تحریک ختم نبوت کے قائد مولانا سید ابو الحسنات محمد احمد قادری علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ مولانا سید خلیل احمد قادری علیہ الرحمہ جب دہلی حاضر ہوئے تو فرمایا:

"بس اب ہماری جدائی بھی ہونے والی ہے۔"

مولانا نے عرض کیا: "حضور کی بڑی ضرورت ہے۔"

آپ نے فرمایا: "مرضیٔ مولیٰ!"

پھر رخصت کرتے وقت فرمایا: "یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔"

وصال سے کئی سال قبل حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر عشق الٰہی کا ایسا غلبہ تھا کہ مخلوق تو مخلوق اولاد کی محبت بھی دل سے نکل چکی تھی۔مولیٰ تعالیٰ کی طرف لگن لگی ہوئی تھی۔نظر میں وہی وہ سمایا ہوا تھا۔اور دل بزبانِ حال گویا تھا:

؎ بے حجابانہ در آ از در کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

مخلوق سے بے تعلق ہو کر واصل باللہ اور باقی باللہ ہو چکے تھے۔ہاں عالم فانی سے سفر کا انتظار تھا۔بالآخر وصال کی گھڑی آ پہنچی اور ۱۴رشعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/۲۸رنومبر ۱۹۶۶ء کی شام جبکہ افق مغرب

میں "آفتابِ جہاں" غروب ہو رہا تھا، علم وعرفان کا یہ "خورشید جہاں تاب" ڈوب رہا تھا۔ دل ڈوب رہے تھے۔ آنکھیں ابل رہی تھیں، تاریکیاں پھیل رہی تھیں۔ یہ آفتابِ علم وعرفان عالم ناسوت میں غروب ہو کر عالم لاہوت میں طلعت ریز ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ!

بہر بہار گل از زیر گل برآرد سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

اور حضرت کی یہ دعا پوری ہوئی:

دردِ فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو
موت جب آئے تو صبحِ وصال کا پیغام ہو (مظہر)

۱۵ رشعبان المعظم کی صبح جب جنازہ اٹھایا گیا تو جلوس جنازہ میں ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ مسجد فتحپوری سے جلوس مسجد شاہجہانی لایا گیا۔ جہاں حضرت ابو الحسن زید فاروقی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر یہاں سے جلوس جنازہ روانہ ہوا، اور دوسرے راستے سے لال قلعہ دہلی کے پیچھے سے ہوتا ہوا چاندنی چوک سے مسجد فتحپوری آیا۔

اللہ اللہ! سفر آخرت میں بھی یہ نظارہ دکھادیا کہ شاہوں اور نوابوں کو خاطر میں نہ لانے والا اپنے مولیٰ کا وفا شعار بندہ اپنے مولیٰ کے گھر سے چل کر شاہانِ وقت کے قلعوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا پھر اپنے مولیٰ ہی کے گھر آیا۔ جہاں ۱۵ رشعبان المعظم کو آغوشِ رحمت میں لٹا دیا گیا۔

۲۸ رنومبر ۱۹۶۱ء کو آل انڈیا ریڈیو، دہلی سے جب رات کو خبر وصال نشر کی گئی تو پاک وہند کے جاں نثاروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ پاکستان وہندوستان کے مختلف شہروں میں فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا —— پاک وہند کے بعض اخبارات نے یہ روح فرسا خبر جلی حروف میں شائع کی اور شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بعض اخبارات ورسائل نے اداریے لکھے، محامد ومحاسن بیان کئے، منقبت اور تاریخی قطعات شائع کیے۔

یہاں صرف ایک اداریہ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جس میں فاضل اداریہ نگار نے مسلمانانِ پاک وہند کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے:

’’اس دورِ پُرفتن میں نہ صرف دہلی کے بے یارومددگار راسخ العقیدہ مسلمانوں کی تسکینِ قلب بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے ان کی ذاتِ گرامی بڑی غنیمت ورحمت تھی۔ ان کا وصال حقیقتاً موت العالِم موت العَالَم، کے مصداق ہے۔ ان کی وفات سے شمع بزمِ اتقیاء خاموش ہوگئی۔ مسندِ فقہ اسلامی خالی اور دہلی سونی ہوگئی۔ ان کی ذاتِ گرامی علمائے حق وسلف صالحین کا نمونہ کامل تھی۔ اتباعِ شریعت میں ان کا ثانی نہ تھا۔ تقویٰ وبزرگی میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ وہ بحرالعلوم ظاہری وباطنی تھے۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔ دہلی اور کراچی میں ان کے وصال پر لاکھوں مریدین کا سوگوار ہونا لازم ہے اور اہلِ سنت کی مرثیہ خوانی برحق ہے۔‘‘[1]

مختلف حضرات نے تاریخ وفات کے سلسلے میں قطعات لکھے —— جناب آصف جاہ قمر دہلوی نے اپنے قطعہ کے ان شعروں میں حضرت کے تاریخ وسنہ وصال اور وقت رحلت کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے:

بسیزدہ صد و ہشتاد و شش سنہ ہجری
دو شنبہ از پس عصر دو ہفت شعباں بیں
کہ آفتاب درخشاں علم و فضل نہفت
جہاں سیاہ شد، اے دل بہ کنج ہجراں بیں

نوٹ:۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مزار فیض بار کی فیض رسانیوں کا یہ عالم ہے کہ مراقب ہوتے ہی دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور ایک نیا عالم نظر آتا ہے۔ ایک نومسلم زائر کے مشاہدات ملاحظہ ہوں، جو مزار مبارک پر حاضر ہوکر مراقب ہوئے اور پھر جو کچھ دیکھا وہ خود ان کی زبانی سنئے:

’’آنکھیں بند کرنے پر ایک پُرفضا باغ نمودار ہوا۔ جس کے چاروں طرف خوبصورت سبز درخت لگے تھے اور ان درختوں کے اندر عقیق کے پھول لگے ہوئے تھے آگے بہت خوبصورت عربی الفاظ میں حریر کے کپڑے پر کچھ لکھا تھا جو پڑھا نہیں جاسکا —— آگے ایک پُرفضا چمن تھا جس کے سامنے ایک سفید عمارت تھی اور نظارہ بڑا ہی دلکش تھا، رنگ شفق شام وسفیدی سحری کی طرح بڑے ہی خوبصورت تھے۔ دل چاہتا تھا کہ روح اس عالم فانی میں واپس نہ آئے بلکہ یہیں رہے۔‘‘

(مکتوب پروفیسر سردار جوگندر سنگھ محررہ ۷/اگست ۱۹۶۸ء از پٹیالہ)

[1] روزنامہ ’’نئی روشنی‘‘، کراچی، شمارہ ۳/دسمبر ۱۹۶۶ء ص ۲، ک ۳/۴

''پیام مشرق'' دہلی کے شمارہ ۱۴ ردسمبر ۱۹۶۶ء میں سنہ ہجری اور سنہ عیسوی میں جناب قمر سنبھلی کے یہ دو قطعات ملتے ہیں:

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے　　یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہِ سلوک　　اے قمر شمع وہ خموش ہے آج
۱۳۸۶ھ

مظہر علم و فقیہہ عصر　　آہ ! دنیا سے ہو گیا روپوش
لکھے قمر عیسوی میں سال وصال　　ہائے شمع تصوف اب ہے خموش
۱۹۶۶ء

اخبار ''انجام'' کراچی کے شمارہ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء میں حافظ غازی آبادی کا یہ قطعہ ملتا ہے:

مظہر اللہ ہوگئے رخصت　　مفتی ہند ، نقشبند زماں
یادگار زمانہ تھے یہ لوگ　　عصر حاضر میں اب جواب کہاں

اسی طرح پندرہ روزہ ''غریب نواز'' دہلی کے ۱۵ ردسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں قیصر نظامی کا یہ شعر ملتا ہے:

آہ ! قیصر بجھ گیا کیا چراغ انجمن
گلشن علم و عمل کا پاسباں جاتا رہا

حضرت کے سانحہ ارتحال پر اظہر دہلوی، لاہور نے ایک طویل مرثیہ بھی لکھا ہے۔

بعض حضرات کے قطعات میں یہ مادۂ تاریخ ملتے ہیں:

❶ ھاتف گفتہ غریق رحمت بادا　　: ابوالکمال احمد ضیاء الدین شمسی طہرانی
۱۹۶۶ء

❷ ھاتف شمع تصوف اب ہے خموش　　بقمر سنبھلی
۱۹۶۶ء

❸ اے قمر شمع وہ خموش ہے آج — بقمر سنبھلی

۱۳۸۶ھ

❹ زندہ دل خلوت میں پنہاں ہوگیا — :زیبا ناروی

۱۳۸۶ھ

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

O

مظہر اللہ شاہ رخصت ہوگئے — گل چراغ بزم عرفاں ہوگیا
چودھویں شعبان کو یہ ماہتاب — شام کے دامن میں پنہاں ہوگیا
سوز غم سے دل میں لو اٹھنے لگی — داغ دل، شمع فروزاں ہوگیا
صرف دلی تک نہیں محدود غم — جابجا، ماتم کا ساماں ہوگیا
چھا گئی گلزار ہستی پر خزاں — چاک ہر گل کا گریباں ہوگیا
آہ! یہ پیر طریقت کی وفات — ذرہ ذرہ آج گریاں ہوگیا
حشر کی تمہید ہے مومن کی موت — لحد لحد حشر ساماں ہوگیا
نقشبندی گل کدے کا یہ گلاب — زینتِ گلزار رضواں ہوگیا

حضرت کا مزار مبارک مسجد جامع فتحپوری، دہلی کے صحن میں شمال مغربی سمت ایک درگاہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اس درگاہ میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے معاصرین میں ایک بزرگ حضرت سید میر ان شاہ نانو علیہ الرحمہ کا مزار مبارک ہے۔ اور صلحاء و شہداء کے مزارات ہیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ اس درگاہ میں حضرت علیہ الرحمہ کی یہ خواب گاہ بنائی گئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پاک و ہند کے مختلف شہروں میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے یوم وصال پر عرس اور

فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کراچی میں جامع مسجد آرام باغ[1] میں ۱۴؍اور ۱۵؍شعبان کو عرس ہوتا ہے[2] ——— اسی طرح حیدرآباد، بہاولپور، لاہور، راولپنڈی اور دہلی وغیرہ میں عرس اور فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اولاد امجاد

اولاد امجاد کے معاملے میں حضرت علیہ الرحمہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ نے حضرت علیہ الرحمہ کو خوب نوازا۔ حضرت کی اولاد، اولاد کی اولاد، اور پھر ان کی اولاد کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے:

مثله كمثل شجرة طيبه اصلها ثابت وفرعها في السَّماء

حضرت کی آل اولاد پاک وہند کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مثلاً دہلی، علیگڑھ، اندور، کراچی، حیدرآباد، احمدپور شرقیہ، بہاولپور، شکارپور، کوئٹہ اور راولپنڈی وغیرہ۔

حضرت علیہ الرحمہ نے تین شادیاں کیں:

- ۱۳۲۱ھ کے قریب پہلی شادی کی۔ چند سال بعد پہلی اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔
- تقریباً ۱۳۲۷ھ میں دوسری شادی کی۔ دو تین سال بعد دوسری اہلیہ بھی رحلت فرما گئیں۔
- تقریباً ۱۳۳۰ھ میں تیسری شادی کی۔ تیسری اہلیہ کا انتقال ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں دہلی میں ہوا۔

اخبار ''دبدبۂ سکندری'' کے مطالعہ سے ہم کو اس مؤخر الذکر عظیم سانحہ کی اطلاع ملتی ہے۔ ذیل میں اخبار مذکور کا تعزیتی نوٹ پیش کیا جاتا ہے:

نوٹ: حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سانحۂ ارتحال کے سلسلے میں تمام اداریے، تعزیتی پیغامات، قطعات تاریخ وغیرہ ''تذکرۂ مظہر مسعود'' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۳۱۵ تا ۳۲۸ ملاحظہ فرمائیں ——— مسعود

۱۔ یہ جامع مسجد حضرت مفتی اعظم کے مرید با اخلاص حاجی منظور احمد صاحب (مالک میٹر فرنشنگ کمپنی، کراچی) کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اس مسجد میں حضرت علیہ الرحمہ کے نام نامی پر ''دارالعلوم مظہریہ'' کے نام سے ایک علمی ادارہ بھی قائم ہے ——— مسعود

۲۔ اب یہ عرس ۱۴؍اور ۱۵؍شعبان کی درمیانی شب ہی کو حضرت مفتی اعظم کے نامور فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رہائش گاہ کے قریب ہوتا ہے (مرتب)

حضرت الحاج مفتی مظہر اللہ صاحب قبلہ مدظلہٗ کو صدمۂ عظیم

''دبدبہ سکندری'' کے دہلوی نامہ نگار کے قلم سے:

محترم جناب لیڈیٹر صاحب ''دبدبہ سکندری'' مدظلہٗ

سلام مسنون!

میں حضرت کو اس حادثۂ عظیم کی اطلاع دے رہا ہوں جس کو پڑھ کر آپ اور آپ کے ساتھ پورے اسلامی ہند کو رنج و الم ہوگا کہ فخرِ ملت، حجۃ الاسلام، امامِ اہلِ سنت حضرت الحاج مولانا مولوی مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب قبلہ حنفی نقشبندی مفتی اعظم و شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی کی اہلیہ محترمہ جو ایک عارفہ کاملہ اور سراپا ایثار خاتون تھیں، جو ۲۰ رجون ۱۹۴۷ء مطابق ۲۹ ررجب المرجب ۱۳۶۶ھ یوم جمعہ کو انتقال فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

علیا حضرت محترمہ کے سے اوصاف کی خواتین سے زمانہ خالی ہو چکا ہے۔ آپ نے زندگی کی آخری ساعتوں تک طبقۂ نسواں میں اسلام مقدس اور قرآنِ عظیم کی اشاعت کا فرض انجام دیا۔ ہم اس حادثے میں حجۃ الاسلام مدظلہٗ سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور علیا حضرت مرحومہ کے لیے دعا کرتے ہیں اور پسماندگان کے لیے صبرِ جمیل کے آرزومند ہیں۔''[1]

اس حادثے پر مدیر محترم مولانا شاہ محمد فضل حسن صابری نے تعزیت نامہ ارسال کیا تو مفتی اعظم نے اس کا یہ جواب مرحمت فرمایا جو ''دبدبہ سکندری'' میں شامل ہے، اور اس کے ساتھ مدیر موصوف کا یہ نوٹ بھی شامل ہے، جس سے مفتی اعظم کی عظمت و شوکت اور صبر و استقلال کا حال معلوم ہوتا ہے:

''فقیر صابری مدیر ''دبدبۂ سکندری'' نے حضرت امام اہل سنت، حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد مظہر اللہ صاحب خطیب و امام مسجد فتحپوری و مفتی اعظم دہلی کی خدمت میں حضرت کی اہلیہ محترمہ کے حادثۂ رحلت پر عریضہ تعزیت پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت والا کا حسب ذیل اعزاز نامہ تشریف لایا:

[1] دبدبہ سکندری، ۲ر جولائی ۱۹۴۷ء، ص ۵

مکتوب گرامی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ہمدردی کا شکریہ! اس سے دس روز قبل احقر زادہ مولوی محمد احمد سلمہم اللہ تعالیٰ کی اہلیہ مرحومہ بھی انتقال کر گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

یہ دونوں خواتین صنف نسواں میں اپنے اوصاف حمیدہ کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ رکھتی تھیں۔ ان حوادث سے جو قلب ضعیف پر اثر ہے، وہ اظہر ہے۔ لیکن اس مولیٰ جل علا سے امید ہے کہ اسے اس پردہ میں کسی کرم خاص کا اعطا مدنظر ہے۔ دعا فرمادیں کہ اس کا جلد ظہور ہو۔ میرا کریم میرے مصالح کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ حادثۂ اخیرہ سے کچھ قبل مجھ پر فالج کا اثر ہو گیا تھا، اور اس کے بعد درد گردہ ہو گیا۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہے لیکن دعا سے فراموش نہ فرمادیں۔

فقط والسلام ——— دستخط"[1]

اولاد امجاد

ان تینوں ازواج سے سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

لیکن وہ جس کو نوازتے ہیں، اس کو خوب آزماتے ہیں۔ حضرت کے سامنے دو جوان اور فاضل صاحبزادے اور ایک جوان صاحبزادی خدا کو پیارے ہوئے۔ اور دو صاحبزادیوں کا اوائل عمر میں انتقال ہوا۔ الغرض عطائے ربانی کے ساتھ آزمائش بھی ہوتی رہی۔ اور ان آزمائشوں پر حضرت نے کمال صبر واستقامت کا مظاہرہ فرمایا۔

آپ کی اولاد میں چھ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے بقید حیات ہیں۔ اور سب صاحب اولاد ہیں۔ صاحبزادگان کی تفصیل یہ ہے:

❶ ۔ حضرت مولانا حافظ قاری مفتی محمد مظفر احمد صاحب سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے قبل مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں تقریباً ۲۵ سال نیابت و فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔ آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔[2]

---

[1] ۔ دبدبۂ سکندری، ۲۹؍ جولائی ۱۹۴۲ء، ص ۶

[2] ۔ وصال ۱۹۷۰ء، کراچی

❷ ۔دوسرے صاحبزادے مولانا الحاج حافظ قاری مفتی محمد مشرف احمد صاحب ہیں، آپ بھی حکمت اورفن فتوٰی نویسی میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔مسجد فتحپوری میں نائب مفتی کی حیثیت سے ایک عرصہ خدمات انجام دیں۔حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بھی فتوٰی نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔[۱]

❸ ۔تیسرے صاحبزادے مولانا الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب بھی عالم اور ڈاکٹر ہیں،فنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی مسجد فتحپوری میں ۳۰ سال نیابت کے فرائض انجام دیئے۔آخر میں جب حضرت علیہ الرحمہ بہت ہی ضعیف ونحیف ہوگئے تو امامت کے فرائض کلیتاً آپ نے انجام دیئے۔حضرت علیہ الرحمہ کے وصال سے چند یوم قبل دہلی وقف بورڈ نے آپ کوامامت کے فرائض تفویض کردیئے،جس کی توثیق عدالت عالیہ نے بھی کردی ہے۔[۲]

❹ ۔چوتھے صاحبزادے مولانا منور احمد علیہ الرحمہ (م ۔۱۹۴۲ء، دہلی)

❺ ۔پانچویں صاحبزادے مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ (م ۔۱۹۴۹ء) حیدرآباد،سندھ،

۱۔وصال ۱۹۸۱ء دہلی ۔آپ کے صاحبزادگان میں حافظ قاری مولانا محمد آصف جاہ اور مولانا محمد ظفر الدین سلمہا اللہ تعالیٰ عالم وحافظ ہیں اور متبع شریعت بھی ـــ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے شمارہ فروری ۱۹۷۱ء،ص۹۲ تا ۹۶ میں سید شاہد زعیم فاطمی نے ’’بڑے لوگ بڑی باتیں‘‘ کے زیر عنوان ایک مضمون میں دونوں صاحبزادگان حضرت مولانا الحاج قاری محمد احمد اور حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد علیہما الرحمہ کا ذکر کیا ہے ـــ مؤخر الذکر صاحبزادہ کا ذکر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اپنی تالیف ’’تاریخ اسلاف‘‘ میں بھی کیا ہے ـــ مسعود

۲۔وصال ۱۹۷۰ء، دہلی، آپ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد مکرم احمد، مولانا محمد معظم احمد، مولانا محمد مبشر احمد سلمہم اللہ تعالیٰ عالم وفاضل اور متبع شریعت ہیں۔

مولانا محمد مکرم احمد سلمہ اللہ تعالیٰ دہلی وقف بورڈ کی طرف سے مسجد جامع فتحپوری کے امام وخطیب ہیں اور فتوٰی نویسی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔مفتی محمد مکرم احمد سلمہٗ کو تو چاروں سلاسل طریقت میں خلافت واجازت بھی حاصل ہے۔ موصوف علوم جدیدہ وقدیمہ کے فاضل ہیں۔دہلی یونیورسٹی سے بی۔اے آنرز (عربی) اور ایم۔اے (عربی) کیا۔اول آئے اور تمغہ حاصل کیے،عربی ادب میں ڈاکٹریٹ بھی کیا ہے اسی طرح اس سے بہت پہلے مدرسہ عالیہ عربیہ میں درس نظامی سے فارغ ہوئے اور سارے مدرسہ میں اول رہے۔ان سب پر مستزاد یہ کہ حافظ وقاری ہیں۔صاحبزادہ موصوف اپنی مخصوص صلاحیتوں اور لیاقتوں کی وجہ سے حضرت مفتی اعظم کے خاندان میں یکتا ویگانہ ہیں ـــ مسعود

دونوں بڑے نیک ومتقی اور جید عالم تھے۔

❻ چھٹا صاحبزادہ یہ راقم الحروف محمد مسعود احمد ہے۔ آجکل گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں بحیثیت پروفیسر وصدر شعبہ اردو کام کررہا ہے۔[1]

❼ ساتویں صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب جو آج کل دہلی میں پریکٹس کر رہے ہیں۔[2]

خُلفاء وسفراء

حضرت علیہ الرحمہ کے بہت سے خلفاء وسفراء پاک وہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کے اسماء گرامی معلوم ہوسکے، ان کی تفصیل یہ ہے:

خُلفاء ہندوستان

❶ حضرت مولانا مولوی حکیم عبدالمجید علیہ الرحمہ۔[3] (م۔ ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) اجمیر شریف

❷ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم چتوڑی علیہ الرحمہ

❸ حضرت مولانا الحاج حافظ قاری مفتی محمد مشرف صاحب مدظلہ العالی

❹ حضرت مولانا الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ۔[4]

۱۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب شعبۂ تعلیم وتدریس سے ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہوئے، اور آج کل کراچی میں رونق فروز ہیں ــــ طاہر

۲۔ وصال ۱۹۹۶ء، دہلی

۳۔ حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے عم محترم تھے۔ اپنے والد ماجد مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ لیکن خلافت واجازت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے لی تھی ــــ مسعود

اور آپ ہی حضرت علیہ الرحمہ کے کفیل تھے جن کے زیر سایہ حضرت علیہ الرحمہ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل فرمائی ــــ طاہر

۴۔ شب کیم رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء کو دہلی میں وصال فرمایا۔

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

خبر وصال آل انڈیا ریڈیو سے بار بار نشر کی گئی۔ ہزاروں مسلمان جلوس جنازہ میں شریک تھے۔ علماء ومشائخ اور عوام سب ہی شریک تھے۔ شیر کشمیر شیخ عبداللہ بھی شریک جنازہ تھے۔ مزار مبارک صحن مسجد جامع فتحپوری ہی میں حضرت علیہ الرحمہ کے پہلو میں ہے۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۵ حضرت مولانا مولوی مقبول الرحمٰن علیہ الرحمہ، سیوہارہ

۶ حضرت مولانا مولوی محمد عثمان ٹونکی مدظلہ العالی

۷ حضرت مولانا ابو الکمال ضیاء الدین احمد کاظمی شمسی طہرانی، علی گڑھ ہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مولانا ئے مرحوم کی خبرِ وصال سن کر حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی (سجادہ نشین ساہن پال شریف، ضلع گجرات) نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے محض القائے ربانی کے تحت یہ قطعہ تاریخ وفات راقم الحروف کو از راہِ عقیدت ارسال فرمایا:

عارف دیں محمد احمد — حامئ شرع و افتخار زماں
حافظ پاک و حامئ حرمین — بود در قادیان بلند مکاں
جامع علم و فضل تقویٰ بود — مخزن راز وحدت و عرفاں
آں امام و خطیب فتحپوری — سکہ زن شد بملک دارجناں
از شرافت چو رحلتش پرسی
داخل خلد، دین پناہ، بداں (محررہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ)

وصال کے بعد بعض احباب نے جو خواب دیکھے، ان سے مولانا ئے مرحوم کی روحانی عظمت کا احساس ہوتا ہے چنانچہ برادر نسبتی جناب فرید الدین صاحب نے دیکھا:

''مولانا ئے مرحوم سفید براق پر ریشمی کپڑے پہنے بیٹھے ہیں اور سرخ عطر مل رکھا ہے۔ فضائیں مہک رہی ہیں۔ ایک طرف اسٹیج سجا ہوا ہے۔ جس کے اردگرد سرخ و سبز ریشوں سے حد بندی کی ہوئی ہے۔ اسٹیج پر حضرات اہل اللہ تشریف فرما ہیں۔ مولانا ئے مرحوم اس پنڈال میں داخل ہوئے اور سیدھے اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے آپ کا استقبال فرمایا اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ سے تعارف کرایا اور فرمایا:

''یہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت امام حسن کی سنت پر عمل کیا ہے''—— پھر حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے تعارف کرایا۔ اتنے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اعلان فرمایا:

''سب حضرات مؤدب کھڑے ہو جائیں، ہمارے آقا و مولیٰ حضور مقبول ﷺ رونق فروز ہونے والے ہیں۔'' سب اولیاء اللہ عز وقد کھڑے ہو گئے۔''

(مکتوب محررہ ۱۴/فروری ۱۹۷۱ء از دہلی)

سبحان اللہ!

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

۱۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں شمسی طہرانی صاحب کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا ہے —— طاہر

خُلفاءِ پاکستان:

1. حضرت مولانا حافظ قاری محمد مظہر احمد علیہ الرحمہ[1] (م۔ ۱۹۷۱ء، کراچی)
2. حضرت مولانا حافظ قاری الحاج سید حفیظ الرحمٰن صاحب[2] دامت برکاتہم العالی۔ بہاولپور
3. حضرت مولانا الحاج قاری محمد ادریس صاحب مدظلہ العالی، کراچی
4. صاحبزادہ ابو الخیر محمد زبیر صاحب، حیدرآباد سندھ

سفراءِ ہندوستان

1. جناب حکیم محمد عاقل صاحب مظہری، دھام پور بجنور۔[3]
2. مولانا غلام احمد مظہری، ٹونک

سفراءِ پاکستان

1. الحاج حکیم محمد ذاکر صاحب علیہ الرحمہ، کراچی
2. الحاج صوفی محمد بشیر الدین علیہ الرحمہ، کراچی۔[4]

۱۔ حضرت مفتی محمد مظہر احمد علیہ الرحمہ جلیل القدر عالم و فقیہ تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب و رسائل مطالعہ فرمائیں:

- محمد مسعود احمد: تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۳۶۸
- عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: تذکرہ اکابر اہل سنت، مطبوعہ لاہور
- ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ فروری ۱۹۷۳ء ــــــ مقالہ راقم الحروف

۷ ارشوال المکرم ۱۳۹۱ھ/ ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو کراچی میں آپ کا وصال ہوا ــــــ آپ کے صاحبزادگان حافظ محمد مظفر احمد صاحب، حافظ محمد اظہر احمد، حکیم محمد مذ راحمہ سلمہم اللہ تعالیٰ نیک و صالح و متبع شریعت ہیں۔ ہر سال کراچی میں آپ کا عرس کرتے ہیں ــــــ مسعود

۲۔ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت قاری عبد الرحمٰن پانی پتی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں ــــ پنجاب و سندھ میں آپ کے بکثرت مریدین پھیلے ہوئے ہیں ــــ مسعود

۳۔ جناب حکیم صاحب کو قبلہ ڈاکٹر صاحب سے بھی اجازت و خلافت حاصل ہے ــــــ طاہر

۴۔ صوفی صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے جناب قاری محمد علیم الدین صاحب ۱۸ تا ۲۰ رشوال المکرم کو کراچی میں آپ کا عرس کرتے ہیں ــــــ مسعود

③ صوفی محمد ابراہیم علیہ الرحمہ، کراچی

④ الحاج صوفی محمد یوسف صاحب، کراچی

⑤ الحاج حافظ محمد صالحین علیہ الرحمہ، کراچی

⑥ صوفی فضل احمد صاحب، کراچی

⑦ سید صفدر حسن صاحب صدیقی، لاہور

⑧ مولانا محمد احمد قریشی، لاہور

⑨ صوفی نواب علی، حیدرآباد سندھ

⑩ مولانا سید محمد الیاس زیدی علیہ الرحمہ، کاہنہ نو، لاہور[1]

تصنیفات وتالیفات

حضرت علیہ الرحمہ کی تحریری خدمات، تقریری خدمات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ نام ونمود سے بے نیاز رہ کر نہایت خاموشی کے ساتھ حضرت علیہ الرحمہ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے یوم وصال تک مسلسل ستر سال لکھا ہے۔ آپ کے ہزاروں فتوے، مکاتیب، شریفہ اور مواعظ پاک وہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے اہم تصنیف آپ فتوے ہیں، جو اگر شروع سے جمع کیے جاتے تو اب تک بیسیوں مجلدات شائع ہو جاتیں۔ لیکن افسوس کہ یہ عظیم ذخیرہ بتمامہ محفوظ نہ رکھا جا سکا۔ صرف آخری دس پندرہ سالوں کے اہم فتوے تحقیق وتلاش سے جمع کیے جا سکے۔ جو ایک جلد میں شائع کر دیئے گئے ہیں — اسی طرح حضرت کے مکاتیب شریف بھی ایک عظیم سرمایہ تھے مگر صد افسوس کہ یہ سرمایہ بھی پوری طرح محفوظ نہ رہ سکا۔ کافی تلاش وجستجو کے بعد لاکھوں مکاتیب شریفہ میں سے صرف چند سو دریافت ہو سکے۔ جو "مکاتیب مظہری" جلد اول میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے کتب ورسائل کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ آپ کا وصال ۸ر جمادی الآخر ۱۴۲۰ھ/ ۱۹ر ستمبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار وقت فجر ہو گیا ہے —— طاہر
آپ سب کے حالات کیلئے "خلفاء مظہری" مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، مطبوعہ ادارہ مظہر اسلام لاہور ۲۰۰۲ء ملاحظہ فرمائیں۔

1. مظہر الاخلاق، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۹۱۲ء/۱۳۳۱ھ[1]
2. ارکانِ دین، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۹۱۲ء/۱۳۳۱ھ[2]
3. مظہر العقائد، مطبوعہ ہلالی پریس دہلی ۱۹۱۲ء/۱۳۳۱ھ[3]
4. ترجمۂ قرآن کریم، مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ
5. حواشی و تفسیر قرآن کریم، مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ[4]

۱۔ ان دونوں رسالوں کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے شائع کر دیا ہے۔

۲۔ ایضاً

۳۔ یہ رسالہ راقم الحروف از سرِ نو مرتب کر رہا ہے ——— مسعودؔ

۴۔ ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں محترم سید مظہر الدین صاحب (لاہور) نے مطلع فرمایا کہ ان کے والد مرحوم سید محمد شفیع الدین صاحب نے ایک مترجم و محشی قرآن پاک طبع کرایا تھا۔ جس میں ترجمہ اور تفسیر و حواشی حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ہدایت فرمادی تھی کہ یہ خدمت محض رضائے الٰہی کے لیے انجام دی ہے اس لیے اس کی تشہیر نہ کی جائے۔ چنانچہ اس قرآن کریم میں نہ مترجم کا نام ہے اور نہ مفسر و محشی کا۔ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ علمی کارنامہ اب تک مخفی تھا، راقم جناب مظہر الدین صاحب کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس راز کو افشا فرما کر کرم فرمایا۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

یہ قرآن کریم (مع ترجمہ و تفسیر و حواشی) سید محمد شفیع الدین مرحوم تاجر کتب و مالک اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی نے اپنے ہی پریس میں نہایت اہتمام سے ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ میں چھپوایا تھا۔ اس کا سائز "۷×"۹ ہے اور کل صفحات تقریباً ۸۰۰ ہیں ——— ابتداء میں قرآن کریم کی سورتوں کی فہرست، فہرست مضامین قرآن، مختصر اور اقِ قرآن، تراکیب استخارہ، مختصر ضروری مسائل، تعویذات سور، سیرت نبوی، معجزات، قرائن وغیرہ کا بیان ہے۔ اس کے بعد متن قرآن کریم (مع ترجمہ و حواشی) شروع ہوتا ہے۔

اس میں پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین علیہ الرحمہ کا ہے دوسرا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللّٰہ علیہ الرحمہ کے فارسی ترجمے سے حضرت علیہ الرحمہ نے اردو میں منتقل فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ حواشی میں تفسیر تحریر فرمائی ہے۔ اس تفسیر میں ان تفاسیر سے مدد لی گئی ہے:

▪ تفسیر ابن عباس	▪ تفسیر ابن جریر	▪ تفسیر ابن حاتم	▪ تفسیر کبیر
▪ تفسیر مدارک	▪ تفسیر ابن کثیر	▪ تفسیر معالم التنزیل	▪ تفسیر حسینی
▪ تفسیر موضح قرآن	▪ تفسیر عزیزی	▪ احسن التفاسیر	▪ تفسیر حقانی

وغیرہ وغیرہ ——— تفسیر کے ساتھ ساتھ آیات کا شانِ نزول بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، مکی و مدنی آیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ متن قرآن کے ساتھ ساتھ جو حواشی چل رہے ہیں، ان کے علاوہ آخر میں تقریباً ۱۰۶ کی کالمی صفحات پر بقیہ حواشی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ حواشی اتنے باریک قلم سے لکھے گئے ہیں کہ بمشکل تمام پڑھے جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

٦. خزینۃ الخیرات، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۷ھ[۱]

۷. مکاتیب مظہری، جلد اول، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۶۹ء

۸. مکاتیب مظہری، جلد دوم، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۶۹ء/ ۱۳۸۹ھ[۲]

۹. مواعظ مظہری، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۷۰ء/ ۱۳۹۰ھ

۱۰. فتاویٰ مظہری، جلد اول و دوم، مطبوعہ آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۷۰ء/ ۱۳۹۰ھ[۳]

۱۱. جلد اول عرض البلد و طول البلد[۴]

۱۲. رسالہ در علم توقیت[۵] (قلمی) تالیف ۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ

(سابقہ بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اگر ان تمام حواشی کو متوسط قلم سے علیحدہ بڑے سائز میں لکھا جائے تو ایک ہزار صفحات سے کم نہ ہوں گے۔ چنانچہ ان کو ''تفاسیر مظہری'' کے نام سے ایک مستقل تصنیف کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی تو یہ تفسیر بھی مرتب کر کے پیش کی جائے گی ——— مسعود

نوٹ: شنید ہے کہ یہ ترجمہ و تفسیر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور شائع کر رہا ہے ——— طاہر

۱۔ اس کا پہلا ایڈیشن اعلیٰ پریس، دہلی سے طبع ہوا تھا۔ دوسرا ایڈیشن مشہور آفسٹ پریس، کراچی میں طبع ہوا، اور مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے شائع کیا۔ اب تیسرے ایڈیشن کی تیاری ہے ——— مسعود

حال ہی میں ادارہ مسعودیہ کراچی نے مع اضافات کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا ہے ——— طاہر

۲۔ پہلی اور دوسری جلد کو مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا ——— جدید ایڈیشن حال ہی میں ۱۹۹۹ء میں ادارہ مسعودیہ کراچی نے یکجا شائع کیا ہے ——— طاہر

۳۔ ان مجلدات کی اشاعت کے بعد چند مطبوعہ و غیر مطبوعہ فتوے اور تصدیقات نظر سے گزریں:

- رسالہ تقبیل، مطبوعہ ملتان ۱۹۱۹ء
- الصوارم الہندیہ مطبوعہ مراد آباد ۱۹۲۶ء
- جامع الاقوال فی رویت الہلال، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۳۸ء وغیرہ وغیرہ
- سار دائل، مطبوعہ ۱۹۲۹ء (ان شاء اللہ تعالیٰ ''فتاویٰ مظہری'' کی تیسری جلد میں ان کو شامل کر دیا جائے گا ——— مسعود)

ادارۂ مسعودیہ کراچی نے حال ہی (۱۹۹۹ء) میں مع اضافات اول، دوم اور سوم تینوں جلدوں کا جدید ایڈیشن بعنوان ''فتاویٰ مظہریہ'' شائع کیا ہے ——— طاہر

۴۔ یہ نہایت اہم کتاب ہے جس میں پاک و ہند کے مختلف شہروں کے عرض بلد، طول بلد اور دوسری بہت سی تفصیلات جدید قاعدوں سے مرتب کی ہیں۔ جو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے اپنے ایجاد کردہ تھے۔ یہ کتاب ہنوز شائع نہیں ہوئی۔ دہلی میں محفوظ ہے۔

۵۔ یہ کتاب بھی قلمی ہے اور راقم کے پاس محفوظ ہے ——— مسعود

۱۳ شجرہ طریقت خاندان عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ، مطبوعہ امپریل پریس، دہلی۔[۱]

۱۴ کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب، مطبوعہ جید پریس، دہلی ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ

۱۵ تحقیق الحق، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۹۲۷ء/۱۳۴۶ھ

۱۶ القول الفائق علی لامۃ الفاسق، مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۷ء/۱۳۴۵ھ

۱۷ موجودہ مصائب کا واحد علاج، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ

۱۸ انتفاء الحال فی رویۃ الہلال، مطبوعہ جید پریس، دہلی ۱۹۵۰ء/۱۳۷۰ھ

۱۹ دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۶ء/۱۳۷۶ھ

۲۰ قصد السبیل، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۹۵۹ء/۱۳۷۹ھ

۲۱ فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ جید پریس، دہلی ۱۹۵۹ء/۱۳۷۰ھ

المختصر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ العزیز اپنے عہد کے جلیل القدر عالم اور روحانی پیشوا تھے۔ ان کی عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۱۵ء میں جبکہ وہ ابھی ۳۲ سال کے جوان تھے، ہندوستان سے شائع ہونے والی کتابوں میں ان کے اسم گرامی کے ساتھ وہ القاب و آداب استعمال کئے جاتے تھے جو کسی فاضل جلیل کے شایانِ شان ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ سن مذکور میں ''توضیح العقائد'' (مؤلفہ شاہ محمد رکن الدین قدس سرہٗ العزیز) شائع ہوئی۔ اس پر آپ نے تقریظ لکھی ہے۔ اس تقریظ کے ساتھ یہ القاب نظر آتے ہیں:

''بدر العلماء، فخر الاتقیاء، ناصر الملۃ، مقتدا الاکرم، آیۃ من آیات اللہ، حضرت مولوی مفتی حافظ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی دہلوی امام مسجد فتحپوری، نبیرۂ زبدۃ العلماء، قدوۃ الفضلاء، اکمل الکملاء، وحید العصر، فرید الدہر، غواص بحر معانی، نقشبند ثانی، حضرت مولوی رحیم بخش الملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب نقشبندی مجددی، امامی، دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ''[۲]

۱۔ اس کے دہلی، لاہور اور کراچی سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ——— مسعود

۲۔ محمد رکن الدین شاہ: توضیح العقائد، مطبوعہ دہلی ۱۹۱۵ء، ص ۱۷۴، ۱۷۵

اختتامیہ

حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کا عرس شریف پاک و ہند کے مختلف مقامات پر ہوتا ہے۔مثلاً دہلی، دھام پور، لاہور، حیدر آباد، کراچی وغیرہ۔

ان اعراس کے موقع پر جو قصائد و مناقب پیش کیے جاتے ہیں، اور علماء کرام کی جو تقاریر ہوتی ہیں، اگر ان کو قلم بند کر کے محفوظ کیا جائے تو حضرت علیہ الرحمہ کے محامد ومحاسن پر ایک مستقل تالیف ہوسکتی ہے۔

دہلی میں حضرت علیہ الرحمہ کا دوسرا سالانہ عرس شریف ۱۴رشعبان ۱۳۸۸ھ/۴رنومبر ۱۹۶۸ء کو ہوا۔اس موقع پر اخبار "غریب نواز" نے مفتی اعظم نمبر شائع کیا اور اپنے خصوصی اداریہ میں حضرت کو خراج عقیدت پیش کیا۔ملاحظہ فرمائیں:

ترے نقش قدم تو آج بھی راہِ ہدایت ہیں
حضرت مفتی اعظم کی یاد میں

۶رنومبر کو دہلی میں حضرت قبلہ مفتی اعظم الحاج علامہ مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کا سالانہ دوسرا عرس مبارک منایا جارہا ہے۔حضرت قبلہ کی ذات گرامی پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا سورج کے مقابلے میں ایک چراغ روشن کرنے کی سی ناکام کوشش کرنا ہے۔علم تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت وثروت، لالچ وطمع اور شہرت واقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبودِ حقیقی کی رضا وخوشنودی کے لئے جامۂ فقیری میں مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی، بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے بددینی اور بدعقیدگی کی لعنت کے خلاف جو ناقابل فراموش جدوجہد کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے اس موقع پر جب کہ مسلمانوں پر یا ان کے دین پاک پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو ـــــ اوقاف کی آڑ میں یا مسلم پرسنل لاء کے بہانے سے یا کسی بھی چور دروازے سے ـــــ جب بھی اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش

ملا بھی میدان میں نکلے، تو اس شیر نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان کو للکارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا بلکہ حق کا ڈنکا پیٹنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

حضرت کی یہی ایک صفت تھی جس کی بنا پر بڑے بڑے فرعون صفت لوگوں کو بھی حضرت کے مقابلے میں ناکامی کا شرمناک منہ دیکھنا پڑا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہندوپاکستان میں جب بھی شریعت اسلام کے تحفظ اور احکام شریعت کی حرمت کو برقرار رکھنے اور اس کی تقدیس کا لوہا منوانے کا نازک مسئلہ کھڑا ہوا تو اس وقت بڑے بڑے علماء کرام ومفتیانِ عظام حضرت علیہ الرحمہ کی ظاہری وباطنی خدمات لینے پر مجبور ہوتے اور حضرت کی رائے گرامی کو ہمیشہ سے یہ امتیازی مقام حاصل رہا کہ مخالف کے بڑے بڑے رہنماؤں کو حضرت کے عظیم الشان فتاووں کی تصدیق کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ علم وعمل کے اس پیکر مجسم نے اپنی اسی سالہ مقدس زندگی میں شریعت وطریقت کے مقدس میدانوں میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل کیں، وقت آنے پر وہ تاریخ کا سنہری باب بنیں گی۔

کون نہیں جانتا کہ مسجد فتحپوری کے حجرے کو اس بوریہ نشیں فقیر کی بدولت ہندوپاکستان میں اسلام وسنیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا، اور ہر نازک موقع پر یہ حجرہ کروڑوں بندگانِ خدا کی نگاہوں کا مرکز بنا رہتا تھا۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت کی عملی زندگی نے کروڑوں بندگانِ خدا کے دلوں پر اپنی حکومت کا سکہ جما رکھا تھا —— اس دن کی یاد آتے ہی آنکھیں خون کے آنسو رونے لگتی ہیں، جس دن موت نے ہم سے شریعت وطریقت کے اس آفتاب کو چھین کر آغوشِ رحمت میں سلا دیا تھا۔

آج جبکہ حضرت قبلہ ظاہری طور پر ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ان کی مقدس زندگی ہمارے لیے نشانِ راہ ہے —— آج جبکہ ہم حضرت قبلہ کا دوسرا سالانہ عرس مبارک منا رہے ہیں، ان کی بارگاہ میں سب سے بڑا نذرانۂ عقیدت یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سب ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ آمین‘‘[1]

۱۔ پندرہ روزہ ’’غریب نواز‘‘ دہلی، مفتی اعظم نمبر، شمارہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۲، ک۔ ا۔

خلاصۂ کلام

آپ نے حضرت مفتی اعظم کی حیات مبارک کی جھلکیاں دیکھیں جو اب تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں:

- آپ نے دیکھا، مفتی اعظم کے جد امجد کیسے جلیل القدر عالم و عارف تھے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے مستفیض ہوئے۔
- یہ بھی دیکھا کہ وقت کے بلند پایہ صوفیاء، علماء اور سیاست داں کیسی قدر و منزلت کرتے تھے۔
- یہ بھی دیکھا کہ وہ کتنے عظیم فقیہہ اور عارف کامل تھے۔
- یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے آلام حیات کو کس ہمت و استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔
- یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ کیسی وسعت قلبی اور حسن سلوک کا ثبوت دیا۔
- یہ بھی دیکھا کہ عقائد و سیاسیات میں ان کا کتنا صاف ستھرا مسلک تھا۔
- یہ بھی دیکھا کہ سرزمین دہلی میں انہوں نے یوم میلاد النبی ﷺ کی بنیاد رکھی اور ایک ایسے جلسے کا اہتمام جو موافق و مخالف سب کے لیے گوارا تھا، اور پاک و ہند میں اپنی نظیر آپ تھا۔
- یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے جلوس میلاد النبی ﷺ کے متعلق کیسا تقویٰ شعارانہ اظہار خیال فرمایا۔

الغرض یہ سب کچھ دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم انسان کا سراپا نظروں کے سامنے پھر گیا ——— ہاں مفتی اعظم:

کتنے عظیم تھے،

کیسے رحیم تھے،

کیسے کریم تھے!

اللہ تعالیٰ ہم کو صلحائے امت کے نقش قدم پر چلائے، انہیں کے نقش قدم کو قرآن حکیم میں صراط مستقیم قرار دیا گیا ہے۔ آمین!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

کراچی

مناقب

مظہر ذاتِ کبریا توئی — مرکز نور مصطفیٰ توئی

بر تو نازند ہندو پاکستان — لاجرم فخر ایشیا توئی

عقدۂ معرفت کشائش یافت — کاشفِ راز لا الٰہ توئی

نقشبندی مجددی چشتی — برگزیدہ ز اولیاء توئی

زاں کہ پیغمبر است ظل خدا — ظلِ پیغمبر خدا توئی

سجدہ ریزند بر درت ہمہ وقت — مرجع جملہ اصفیاء توئی

اندریں دہر کشتی دیں را — نیست خطرہ کہ ناخدا توئی

کس ندانست شانِ پیغمبر — واقف رمز ما طغیٰ توئی

حافظ و مفتی و فقیہہ و خطیب — راستی، پیر رہنما توئی

جذب و مستی عنایتم فرما

برگِ کاہم و کہربا توئی

(سردار جوگندر سنگھ اصغر لدھیانوی مرحوم

سابق اسسٹنٹ ڈائریکٹر شعبۂ السنہ، پٹیالہ)

خداوندا بکرم آفریدی وبازار کافر انم برگزیدی
نمودی چہر مہر آگیں بگاہے بسا چوں نوعروس از من رمیدی
جوانی صرف شددر بند عصیاں بہ پیری در بہ فریادم رسیدی
بکردی بیعت مقبول بختم ازاں روزے کہ جان درتن دمیدی
مرا بر پشت خود اسوار کردہ تو اے مقبول برگردوں پریدی[۱]

ندا آمد کہ با مقبول ، اصغر
مبارک عہد پیری و مریدی

(سردار جوگندر سنگھ اصغر لدھیانوی)

●

مفتی مظہراللہ ہیں جو دوستی کے پھول دیتے ہیں آج بھی مہک اس رہنما کے پھول
قسمت پہ اس کی رشک نہ ہو کس لئے مجھے چومے ہیں جس نے آپ کی بند قبا کے پھول
اے سرزمین فتحپوری جاگا ترا نصیب ہیں عطر بیز تجھ میں جو بدر الدجیٰ کے پھول
جو گل کھلے مدینے میں ، خوشبو ہے ہند میں ہیں مرقد مظہر پہ چڑھے والضحیٰ کے پھول
روشن بھی ہیں، مہک بھی ہے، جاری ہے فیض بھی دیکھے ہیں تم نے ایسے کہیں پر ضیا کے پھول

مظہر خدا کے ، مظہر شان مجددی
شان محمدی کے ہیں شان عطا کے پھول

(درخشاں عباسی امروہوی)

اخبار "غریب نواز"، دہلی، مفتی اعظم نمبر شمارہ نومبر ۱۹۶۸ء)

ا۔ پانچویں شعر میں ایک خواب کی طرف اشارہ ہے جو سردار صاحب نے دیکھا کہ مفتی صاحب اپنی پیٹھ پر ان کو بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔ سردار صاحب خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے کئی بار حضور ﷺ کی زیارت کی اور آخری بار تجلیات الٰہی نے خواب میں ہم آغوش کیا۔ ۲۷/ جولائی ۱۹۶۹ء کو ان کا وصال ہو گیا۔ راقم الحروف نے مرحوم کے ایمان افروز حالات پر ایک مقالہ لکھا تھا جو ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے شمارہ اپریل ۱۹۷۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مسعود

●

خسرو ملکِ فضیلت ، مفتیٔ ہندوستان   خضر راہِ علم وعرفاں، رہنمائے عارفاں
حضرت مسعود کے تھے جو مقدس یادگار   فخرِ ملت، فخرِ دیں، سرمایہ اہلِ جہاں
نائب شیخ مجدد، وارثِ علم نبی   وہ امام اہلِ سنت، شیخ کل ، قطب زماں
واقفِ علمِ شریعت، عارف راز خفی   تھے علوم معرفت کے ایک بحرِ بے کراں
خوش خیال وخوش خصال وخوش مقال وخوش جمال   مصطفیٰ کا عشق ہی تھا آپ کی روحِ رواں
دشمنانِ مصطفیٰ سے وہ کنارا کش رہے   دینِ برحق کے ادھر ہر دم رہے وہ پاسباں
ترجمانِ اہلِ سنت کون ہے ان کی طرح   دورِ حاضر میں یقیناً آپ تھے حق کے نشاں
اس قدر مقبولیت پائی مری سرکار نے   دوست اور دشمن ہیں سب تعریف میں رطب اللساں
آپ کے ہاتھوں پہ توبہ کفر سے لاکھوں نے کی   ناریوں کو کر دکھایا عازمِ سوئے جناں
فتنۂ گاندھی یا تحریک شدھی سنگھٹن   ان پہ گرتے ہی رہے وہ صورتِ برقِ تپاں
پائے استقلالِ حضرت میں نہ لغزش آ سکی   سخت سے بھی سخت تر آتے رہے پیش امتحاں
وقتِ آزادی ہوا بھارت میں جب خونی فساد   آپ اس دم عزم کا ثابت ہوئے کوہِ گراں
تھے مئے طیبہ پلاتے نقشبندی جام سے   شیخ سرہندی کے میخانے میں مثلِ خواجگاں
یا الٰہی وہ غلام مظہر اللہ کر مجھے   مرشد برحق رہے ہر وقت مجھ پہ مہرباں

قافلہ تو سوئے منزل جا رہا ہے دم بدم
وائے اختر ہے نہاں ہم سے امیرِ کارواں

۱۹۶۶ء

(علامہ محمد عبدالحکیم خان اختر شاہجہاں پوری مظہری، لاہور[۱])

۱۔ معروف مترجم کتب احادیث، خلیفہ حضرت مسعود ملت ——— طاہر

●

قوت دین و قدرت رحماں ، مظہر اللہ مفتی اعظم
روحِ اسلام جوہر ایماں، مظہر اللہ مفتی اعظم

آفتاب شریعت حق تھے، ماہتاب طریقت رب تھے
حسن کامل کا آپ تھے عنواں، مظہر اللہ مفتی اعظم

مصطفیٰ کے حسیں گلشن کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے
اے نسیم بہار باغ جناں، مظہر اللہ مفتی اعظم

تیرا کردار نور کا مینار، رافع زیب و زینت اسلام
دافع داغ و ظلمت عصیاں، مظہر اللہ مفتی اعظم

دین کا جب ہوا کوئی دشمن، آپ شمشیر حق ہوئے ثابت
شیخ احمد کی جرأت ذیشاں، مظہر اللہ مفتی اعظم

آپ کے در پہ جبہ سائی کو حاضر ہوتے تھے کافر و مشرک
اور پاتے تھے دولت ایماں، مظہر اللہ مفتی اعظم

دل کی کالک کو دور کر دیجئے، مے عشق نبی کو بھر دیجئے
ساغر دل میں ساقی دوراں، مظہر اللہ مفتی اعظم

بے نیازی پہ ناز تھا جائز، فخر تھا فقر پہ بجا تجھ کو
تیری ٹھوکر میں دولت دوراں، مظہر اللہ مفتی اعظم

مہر و شفقت تھی سب کے بچوں پر اور چھوٹو پیدا پر رحمت
تھا کرم کا وہ بحر بے پایاں، مظہر اللہ مفتی اعظم

نیک و صالح ہے آپ کی اولاد اور متبع شریعت بھی
آپ کی ذات کا ہے فیض رواں، مظہر اللہ مفتی اعظم

یا الٰہی ! مزار پاک ان کا تا ابد نور سے رہے معمور
سپہر دیں کے نیر تاباں ، مظہر اللہ مفتی اعظم

(پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش، میرپورخاص، سندھ)

ماٰخذومراجع

کتب

① ۔مظہر الاخلاق ——— حیاتِ مظہری ——— مطبوعہ ۱۹۶۸ء، کراچی

② ۔مکاتیب مظہری ——— حیات مظہری ——— مطبوعہ ۱۹۶۸ء، کراچی

③ ۔فتاویٰ مظہری ——— حیات مظہری ——— مطبوعہ ۱۹۶۹ء، کراچی

④ ۔مواعظ مظہری ——— حیات مظہری ——— مطبوعہ ۱۹۷۰ء، کراچی

⑤ ۔حیات مظہری مطبوعہ ۱۹۷۴ء، کراچی

⑥ ۔ارکانِ دین ——— حیات مظہری ——— مطبوعہ ۱۹۷۷ء، کراچی

⑦ ۔شیخ الاسلام مطبوعہ ۱۹۹۶ء، کراچی

⑧ ۔مجدد دہزارہ دوم ——— مطبوعہ ۱۹۹۹ء، کراچی

⑨ ۔مفتی اعظم ——— (ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری) تقدیم، مطبوعہ ۲۰۰۱ء، کراچی

⑩ ۔باقیاتِ مظہری ——— (مرتبہ محمد عبدالستار طاہر) تقدیم، مطبوعہ ۲۰۰۲ء کراچی

رسائل

⑪ ۔مفتی اعظم ——— ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی ۱۹۷۶ء

⑫ ۔مفتی اعظم ——— ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور ۱۹۷۸ء

⑬ ۔مفتی اعظم ——— ماہنامہ نور اسلام (خصوصی نمبر) ۱۹۷۹ء

⑭ ۔مفتی اعظم ——— ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور ۱۹۹۴ء

کتابیات

کتب

① داتا گنج بخش علی ہجویری: کشف المحجوب

② شاہ محمد مسعود، محدث دہلوی: نور العرفان (قلمی)

③ شاہ محمد مسعود، محدث دہلوی: درۃ الیتیم فی القرآن العظیم مؤلفہ ۱۲۹۵ھ/۱۸۶۸ء

④ محمد رکن الدین شاہ، علامہ: توضیح العقائد، مطبوعہ دہلی ۱۹۱۵ء

⑤ سیٹھ احمد میمن: دہلی کی نئی مجلس اوقاف، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۲ء

⑥ امداد صابری، مولانا: علامہ سید سلیمان کی قرآنی غلطیاں، مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۲ء

⑦ دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۶ء

⑧ : نوائے آزادی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۷ء

⑨ ظفر علی خاں، مولانا: چمنستان

⑩ رحمان علی، مولانا: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

⑪ راغب طباخ: تاریخ افکار و علوم اسلامی (ترجمہ اردو افتخار احمد بلخی) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء

⑫ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء

⑬ حیدر حسین علی پوری، سید: تذکرہ شہہ جماعت، مطبوعہ ۱۹۷۳ء

⑭ امین الدین: صوفیائے نقشبند، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

⑮ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: گویا دبستاں کھل گیا، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

اخبارات و رسائل

① روزنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شمارہ ۹ رجولائی ۱۹۳۴ء

② روزنامہ وحدت، دہلی، شمارہ ۱۲ اراگست ۱۹۳۸ء

③ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۱۴ ارفروری ۱۹۴۷ء

④ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۲۶ رفروری ۱۹۴۷ء

۵ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۱۵؍مارچ ۱۹۴۷ء

۶ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۲۹؍جولائی ۱۹۴۷ء

۷ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۱۱؍نومبر ۱۹۴۸ء

۸ روزنامہ نئی روشنی، کراچی، شمارہ ۴؍نومبر ۱۹۶۶ء

۹ روزنامہ نئی روشنی، کراچی، شمارہ ۴؍دسمبر ۱۹۶۶ء

۱۰ روزنامہ جنگ، کراچی شمارہ ۲۶؍فروری ۱۹۶۷ء

۱۱ روزنامہ جنگ، کراچی شمارہ ۲۴؍اگست ۱۹۷۴ء

۱۲ ہفت روزہ الہام، بہاولپور شمارہ ۷؍جولائی ۱۹۷۴ء

۱۳ پندرہ روزہ غریب نواز، دہلی مفتی اعظم نمبر، شمارہ نومبر ۱۹۶۸ء

۱۴ ماہنامہ پاسبان، الٰہ آباد، شمارہ اگست ستمبر ۱۹۶۱ء

۱۵ ماہنامہ عقیدت، دہلی شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء

۱۶ ماہنامہ عقیدت، دہلی شمارہ اگست ۱۹۶۴ء

۱۷ ماہنامہ المعارف، لاہور شمارہ نومبر ۱۹۶۷ء

مکتوبات مظہری

۱ بنام غلام قادر خاں، راولپنڈی، مرسلہ ۱۰؍ستمبر ۱۹۴۸ء

۲ بنام بشیر احمد لاہور مرسلہ ۲۱؍فروری ۱۹۴۹ء

۳ بنام حافظ عبدالسمیع ۲؍جون ۱۹۴۹ء

۴ بنام محمد احمد قریشی، لاہور مرسلہ یکم مئی ۱۹۵۱ء

۵ بنام قاری سید حفیظ الرحمٰن، بہاولپور مرسلہ ۲۰؍مئی ۱۹۵۱ء

۶ بنام محمد احمد قریشی، لاہور مرسلہ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۱ء

۷ بنام مفتی محمد محمود، حیدر آباد، سندھ، موصولہ یکم مئی ۱۹۵۲ء

۸ بنام مفتی محمد محمود، حیدر آباد، سندھ، مرسلہ ۱۹۵۲ء

۹ بنام محمد احمد قریشی، لاہور موصولہ ۷؍مئی ۱۹۵۳ء

۱۰ بنام حافظ محمد صالحین، کراچی مرسلہ ۱۸؍ستمبر ۱۹۵۳ء

۱۱ بنام حافظ محمد صالحین، کراچی مرسلہ ۱۶؍جنوری ۱۹۵۴ء

۱۲ بنام ذکر الرحمٰن، کراچی موصولہ ۲۸؍مارچ ۱۹۵۶ء

۱۳ بنام سید نواب علی، حیدر آباد، مرسلہ ۷؍جنوری ۱۹۵۷ء

۱۴ بنام ذکر الرحمٰن، کراچی مرسلہ ۱۸؍مارچ ۱۹۵۷ء

۱۵ بنام حافظ عبد السمیع، حیدر آباد، مرسلہ ۲۹؍جولائی ۱۹۵۷ء

۱۶ بنام سید نواب علی، حیدر آباد، مرسلہ ۱۹۵۸ء

۱۷ بنام اختر حسین، کراچی موصولہ ۱۹؍اگست ۱۹۶۰ء

۱۸ بنام اسلام الدین، لاہور مرسلہ ۱۳؍دسمبر ۱۹۶۱ء

۱۹ بنام محمد احمد قریشی، لاہور مرسلہ ۲۶؍فروری ۱۹۶۳ء

۲۰ بنام حاجی ضیاء الدین احمد، کراچی مرسلہ اکتوبر ۱۹۶۳ء

۲۱ بنام قاری سید حفیظ الرحمٰن، بہاولپور موصولہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۶۴ء

۲۲ بنام ذکر الرحمٰن، کراچی مرسلہ ۲۸؍فروری ۱۹۶۶ء

دیگر مکتوبات

بنام **پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد** محررہ:

۲۳ سردار جوگندر سنگھ از پٹیالہ محررہ ۷؍اگست ۱۹۶۸ء

۲۴ سردار جوگندر سنگھ از پٹیالہ محررہ ۱۶؍مئی ۱۹۶۹ء

۲۵ سیف الاسلام مولانا منور حسین از لاہور محررہ ۷؍مئی ۱۹۷۴ء

۲۶ سیف الاسلام مولانا منور حسین از لاہور محررہ ۲۶؍مئی ۱۹۷۴ء

۲۷ مفتی محمد مکرم احمد از دہلی محررہ ۱۰؍مارچ ۱۹۷۶ء

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰
۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰
۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰
۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰
۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰
۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰
۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰
۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰
۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۵	۱۰۶	۱۰۷	۱۰۸	۱۰۹	۱۱۰
۱۱۱	۱۱۲	۱۱۳	۱۱۴	۱۱۵	۱۱۶	۱۱۷	۱۱۸	۱۱۹	۱۲۰
۱۲۱	۱۲۲	۱۲۳	۱۲۴	۱۲۵	۱۲۶	۱۲۷	۱۲۸	۱۲۹	۱۳۰
۱۳۱	۱۳۲	۱۳۳	۱۳۴	۱۳۵	۱۳۶	۱۳۷	۱۳۸	۱۳۹	۱۴۰

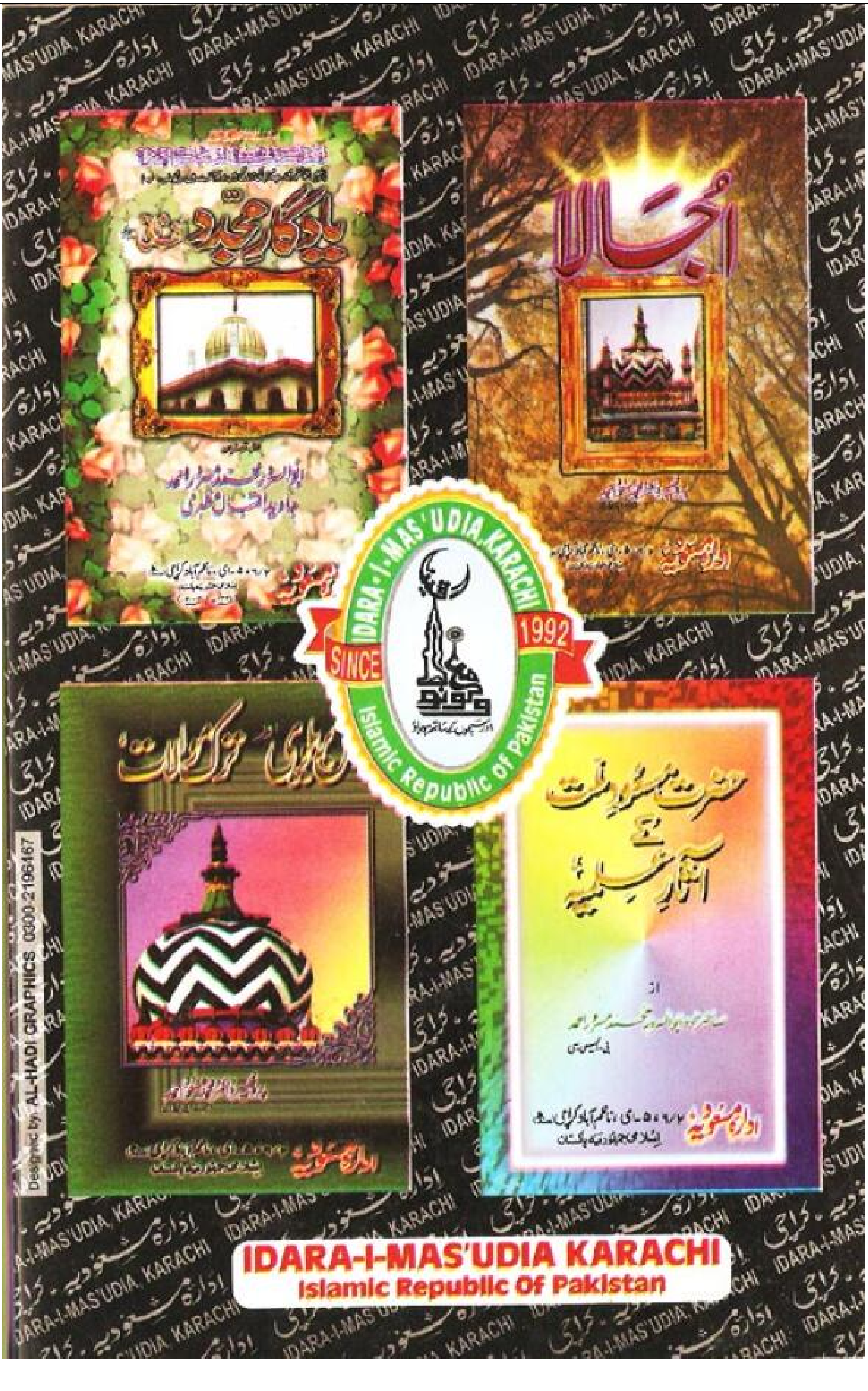
یادگارِ مجید
اُجالا
حضرت مسعودِ ملت کے آثارِ علمیہ
IDARA-I-MAS'UDIA, KARACHI
SINCE 1992
Islamic Republic of Pakistan
Designed by: AL-HADI GRAPHICS 0300-2196467
IDARA-I-MAS'UDIA KARACHI
Islamic Republic Of Pakistan